اعداد
ایک بھولا ہوا فرض ہے
مفتي عبد الوہاب حفظہ اللہ
النور
AN-NOOR

# اعداد

## ایک بھولا ہوا فرض ہے

مفتی عبد الوہاب حفظہ اللہ

# فہرست

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# اعداد کی اقسام

اگر فی الحال جہاد فی سبیل اللہ پر قدرت نہ ہو تو اعداد یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کرنا فرض ہے۔

اعداد کی دو قسمیں ہیں: ① اِعداد ایمانی ② اعداد مادی

## اعداد ایمانی:

اعدادِ ایمانی یعنی شرعی حیثیت سے جہاد فی سبیل اللہ کو سمجھنا، جہاد کے متعلق ضروری مسائل واحکام کا جاننا اس فریضے میں داخل ہے مثلاً جہاد کب فرض کفایہ ہوتا ہے اور کب فرض عین؟ کس کے خلاف جہاد کرنا ہے اور کس کے خلاف نہیں؟ کسے قتل کرنے کی اجازت ہے اور کس کو نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

## اعداد مادی:

اعداد مادی یا اعداد عسکری یعنی عسکری تیاری کرنا۔

درج بالا دونوں قسموں کا اعداد تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

عسکری تربیت یعنی ملٹری ٹریننگ تو ظاہر ہے، کیوں کہ عسکری تربیت کے بغیر دشمن کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے، اسی طرح ''اعداد ایمانی'' بھی ضروری ہے، کیوں کہ اگر صحیح علم نہ ہو تو شریعت کے مطابق جہادی امور انجام دینا بھی ممکن نہیں ہے۔

البتہ یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فریضۂ جہاد کو انجام دینے کے لیے جس کے ذمے جو کام سپرد کیا جائے، اس کے متعلق بقدرِ ضرورت علم حاصل کرنا اس پر فرض ہے، باقی تمام امور کے متعلق علم حاصل کرنا ان پر فرض نہیں ہے...... اور ظاہر ہے کہ اتنا علم حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہوتی، چند دنوں میں یا دیگر اعمال کے دوران ہم اسے سیکھ سکتے ہیں، لہذا علم حاصل کرنے کو بہانہ بنا کر جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

البتہ جہاد فی سبیل اللہ کو شریعت کے مطابق انجام دینے کے لیے جن تفصیلی علوم کی ضرورت ہے، ان کے لیے محقق علماء کی ایک جماعت چاہیے۔

امیر کی طرف سے جن کو اس کام کی ذمے داری ملے، صرف وہی لوگ علمی تحقیق اور تعلیم و تعلم میں ہمہ وقت مصروف رہیں گے، امیر کی اجازت کے بغیر

خود سے علمی تحقیق کی ذمے داری اٹھا کر میدان جہاد کو ترک کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس قسم کا کام جہاد فی سبیل اللہ میں شمار نہیں ہو گا بلکہ خواہشات اور نفس کی اتباع میں شمار ہو گا۔

جب تک خلافت کا نظام قائم تھا تب تک ''اعداد'' کا فریضہ واضح تھا، لیکن سقوطِ خلافت کے بعد جب سے کفر کی حکمرانی وجود میں آئی تب سے ''اعداد'' کے خلاف سازشیں رچی جانے لگیں، شیطان کے وسوسوں، مرتد حکمرانوں کی تلبیسوں، علمائے سو اور علمائے سلاطین یعنی سرکاری علماء کی تحریفوں اور پروپیگنڈوں کی وجہ سے آج امت مسلمہ اعداد کا فریضہ گویا بھول بیٹھی ہے، ایسا لگتا ہے آج ہمارے ملک جیسے دیگر ممالک کے 98 فیصد مسلمانوں کو پتہ ہی نہیں کہ ''اعداد'' ایک شرعی فریضہ ہے! خاص کر ملک کے باشندوں کو دو طبقوں یعنی عام شہری اور فوجی میں تقسیم کر دینے کی وجہ سے عام شہریوں کے ذہن سے ''اعداد'' کا فریضہ بالکل ہی ختم ہو چکا ہے۔ عسکری تربیت، فوجی مشق، اسلحے کا استعمال سیکھنا وغیرہ جیسے امور فوج سمیت ملک کے دیگر سیکورٹی اداروں کی ذمے داری سمجھا جانے لگا، عوام کو صرف ان کی نمائش کی اجازت دی گئی، اس کے علاوہ ان معاملوں میں عوام کا کوئی کردار نہیں ہے رہا۔ اب اگر ملک پر کوئی حملہ ہو تو جس طرح اس کا دفاع فوج کی ذمے داری ہے، اسی طرح اگر مذہب پر کوئی حملہ آور ہو تو اس کی ذمے داری بھی حکومت اور فوج کی ہے، عوام اس سے بالکل الگ ہے۔

عام شہری اور فوجی کی تقسیم کا عقیدہ اور ذہنیت اب فقط عوام کی ہی نہیں ہے بلکہ بعض بڑے بڑے نامور عالم، مفتی، محدث اور شیخ الحدیث کی بھی ہے...... اور یہ طواغیت کی ایک بڑی کامیابی ہے کہ ''اعداد'' کے فریضے سے عوام کو غافل کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب عوام کو عسکری تربیت سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، کیوں کہ اسے وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ شرعی فریضہ نہیں سمجھتے...... اور دوسری بات یہ ہے کہ اب طواغیت جس کو اپنی فوج میں بھرتی کریں گے، صرف وہی عسکری تربیت حاصل کر سکتا ہے، اس سے جس طرح عوام کی جانب سے طواغیت کے خلاف بغاوت کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہا اسی طرح طواغیت کے لیے اپنے ہم آہنگ لوگوں کو فوج میں ڈال کر اپنی کفری افواج کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا بھی موقع مل گیا اور اس طرح ایک عرصہ سے وہ اپنے طاغوتی نظام کو بغیر کسی رکاوٹ کے قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر ''اعداد'' کے متعلق صحیح علم عوام کے سامنے واضح کرنے کو ہم ضروری سمجھ رہے ہیں۔

## اعداد کے متعلق چند شبہات

اعداد کے متعلق بہت سے اعتراض اور شبہات رائج ہیں/ مشہور ہیں، ان میں سے چند بنیادی شبہات درج ذیل ہیں:

### پہلا شبہ

ہم پر جہاد ہی فرض نہیں...... اور جب جہاد فرض نہیں، تو ''اعداد'' کے فرض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جہاد فرض نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم میں جہاد کرنے کی قدرت نہیں ہے، اور جب جہاد کی قدرت نہ ہو تو جہاد فرض ہی نہیں ہوتا، جیسے حج ایک شرعی فریضہ ہے، لیکن جسے حج کرنے کی قدرت نہ ہو اس پر حج فرض نہیں ہے، اور جس پر حج فرض نہیں ہے اس پر حج کی تیاری بھی فرض نہیں ہے، حج کی

ادائیگی کے لیے اتنی مقدار رقم جمع کرنا بھی فرض نہیں ہے۔ جہاد کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے، جہاد چوں کہ فرض نہیں ہے اس لیے جہاد کی قدرت حاصل کرنا بھی فرض نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کی صورت میں جہاد اگرچہ فرض ہو جاتا ہے تاہم اگر قدرت نہ ہو تو اس کی ادائیگی ضروری نہیں ہوتی......اور ہماری حالت بھی ایسی ہی ہے، جہاد تو فرض ہوا تھا، لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اب ہم پر فرض نہیں رہا، جیسے کسی پر حج فرض ہوا، مگر حج کرنے سے پہلے ہی اس کا سارا مال ضائع ہو گیا، اس صورت میں اس پر حج کرنا فرض نہیں رہا، یہاں تک کہ اس پر جو حج فرض ہوا تھا اس کی ادائیگی کے لیے اب دوبارہ مال جمع کرنا بھی فرض نہیں ہے۔ اسی طرح ہم پر دشمن کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ فرض تو ہوا تھا مگر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اب جہاد کرنا فرض نہیں رہا، اور جب جہاد کرنا فرض نہیں رہا تو جہاد کے لیے اعداد (یعنی تیاری) بھی فرض نہیں رہی۔

## دوسرا شبہ

اعداد کوئی انفرادی ذمے داری نہیں ہے، بلکہ یہ تو حکومت کی ذمے داری ہے۔ اس وقت چوں کہ مسلمانوں کے پاس کوئی حکومت نہیں ہے اس لیے عام مسلمانوں کے لیے ''اعداد'' بھی فرض نہیں ہوگا...... مسلمانوں کے پاس جب حکومت آئے گی اس وقت حکومت کی طرف سے ''اعداد'' کیا جائے گا، اس سے پہلے اعداد فرض نہیں ہے۔

## تیسرا شبہ

یہ شبہ بہت ہی حساس ہے اور ایک مسلمان کو اپنے ایمان سے خارج کر دینے والا ہے۔ میں نے اپنے ایک محترم استاد سے سنا ہے کہ کسی مدرسے کے شیخ الحدیث نے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ.﴾

اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہوسکے قوت (ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو

[سورۃ الانفال: آیت: ٦٠]

درج بالا آیت کی تفسیر میں بتایا کہ ''اعداد حرام ہے، کیوں کہ یہ توکل کے خلاف ہے''۔

## تیسرے شبے کا جواب:

اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ! جو اعداد کو حرام سمجھتا ہے وہ مومن نہیں رہ سکتا، کیوں کہ اگر کوئی اللہ تعالی کی حلال کردہ چیز کو حرام سمجھے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے، تو جو شخص کسی قطعی فرض کو حرام سمجھتا ہو اس کا ایمان کیسے باقی رہے گا؟! اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس طرح کے لوگوں کا سر قلم کر دیا جاتا، لیکن چوں کہ اسلامی حکومت نہیں ہے تو پھر اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ ان کے متعلق صرف وہی کہہ سکتا ہوں جو ''قرامطہ'' اور ''باطنیہ'' کے متعلق امام جصاص رحمہ اللہ (370 ھ) نے فرمایا تھا:

وأما قوله ً...: «قاتلوا من كفر بالله» فإنه يدل على وجوب قتال جميع أصناف الكفار وقتلهم، وأن أحدًا منهم لايقر على ما هو عليه من الكفر إلا بالجزية ممن يجوز أخذ الجزية منهم، وإلا: فالإسلام أو السيف، كنحو من يعطي الإقرار بجملة التوحيد وتصديق النبي ً، وينقصه برد النصوص، مثل القرامطة المتسمية بالباطنية، فإن

استحقاق القتل لا يزول عنهم بزعمهم أنهم مقرون بجملة التوحيد والنبوة ... وكذلك أشباههم من سائر الملحدين ... فأردنا أن نبين حكمهم، لكي إن اتفق في مستقبل الزمان إمام للمسلمين يغضب لدين الله تعالى، أن يتلاعب به الملحدون، أو يسعوا في إطفاء نوره: أجرى عليهم حكم الله، وإن كان وجود ذلك بعيدًا في عصرنا، والله تعالى ولي دينه، وناصر شريعته. -شرح مختصر الطحاوي للجصاص (7/ 41-43)

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان: «قاتلوا من كفر بالله» یعنی جو اللہ سے کفر کرتا ہے اس کے خلاف لڑو! ،اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ کافروں کے ہر طبقے کے خلاف جنگ کرنا اور ان کو قتل کرنا فرض ہے۔ان میں سے کسی کو بھی کفری حالت میں چھوڑا نہیں جائے گا، جس سے جزیہ لینا جائز ہے اس سے جزیہ لیا جائے گا اور باقیوں سے ''اسلام یا تو تلوار'' کے علاوہ اور کچھ قبول نہیں کیا جائے گا، جیسے وہ لوگ جو توحید ورسالت کا زبان سے اقرار تو کر لیتے ہیں مگر شرعی نصوص کا انکار کرنے کی وجہ سے اس اقرار کو توڑ دیتے ہیں، جیسے باطنیہ نامی قرامطہ فرقہ ،کیوں کہ ان کا فقط توحید ورسالت کا اقرار کر لینا انھیں قتل سے نہیں بچا سکتا۔ان جیسے دیگر ملحدوں کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔ان لوگوں کا حکم بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ مستقبل میں اگر مسلمانوں کے ایسے امام کا وجود ہو جو ملحدوں کو اللہ کے دین کے ساتھ کھیلنے اور نور اللہ کو بجھا دینے کی ناکام کوششوں کو دیکھ کر غیرت کھائے تو ان پر شریعت کا حکم نافذ کر سکے۔

اگرچہ ایسا امام اس زمانہ میں ملنا مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے دین کا مددگار اور محافظ ہے۔ شرح مختصر الطحاوي للجصاص(7/41-43)

## پہلے شبے کا جواب:

پہلے شبے کی بنیاد دو باتوں پر ہے:

① ہم میں جہاد کی قدرت نہیں ہے، لہذا ہم پر جہاد فرض نہیں،اور جب جہاد فرض نہیں تو اعداد بھی فرض نہیں ہے۔

② جہاد کو حج سے تشبیہ دے کر حج کے حکم کو جہاد پر فٹ کرنا۔

اس شبے کے ازالے میں اختصاراً ہم عرض کریں گے: آیا جہاد کے لیے ہم میں قدرت ہے یا نہیں؟ یہ کون طے کرے گا؟ شریعت طے کرے گی یا ہم طے کریں گے؟ ظاہر ہے شریعت طے کرے گی۔شریعت جسے قدرت والا قرار دے وہی قدرت والا سمجھا جائے گا اگرچہ وہ اپنے اپ کو قادر نہ سمجھتا ہو، اور ہم دیکھتے ہیں کہ جن میں شرعی عذر موجود ہیں ان کے علاوہ باقی تمام بالغ مردوں کو شریعت قادر قرار دیتی ہے (عذر کا بیان آگے آئے گا ان شاءاللہ) لہذا شرعی اعذار کی وجہ سے جو لوگ معذور ہیں ان کے علاوہ باقی تمام بالغ مردوں پر جہاد فرض ہے۔

ثانیاً: جہاد کو حج کے ساتھ تشبیہ دینا ایک مغالطہ ہے۔جہاد، حج کی طرح نہیں ہے، بلکہ جہاد:

① قرضہ کی مانند ہے۔قرضدار پر قرضہ کی ادائیگی فرض ہے، اگر فی الحال سارا قرضہ ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو جتنا ادا کر سکتا ہے اتنا ادا کرے اور بقیہ قرضہ اس کے ذمے رہ جائے گا اور اس بقیہ قرضے کو ادا کرنے کے لیے اس کے ذمے کسبِ معاش فرض ہے۔قدرت نہ ہونے کا بہانہ بنا کر بیٹھے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح جہاد بھی ذمے میں رہ جائے گا، اعداد کے ذریعے قدرت حاصل کر کے جہاد کرنا پڑے گا، قدرت نہ ہونے کے بہانے سے بیٹھے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

② خودکشی حرام ہے، اس لیے اتنی مقدار خوراک جس سے انسان زندہ رہے، فرض ہے، اگر خوراک نہ لینے کی وجہ سے بھوک کی شدت سے ہلاکت کا خوف ہو تو اس کے لیے کھانا کھا کر اپنی زندگی بچانا فرض ہے، اب اگر اس کے پاس خورد و نوش کا سامان نہ رہے تو اگر وہ کسبِ معاش پر قادر ہے تو اس پر کسبِ معاش اختیار کر کے خورد و نوش کا انتظام کرنا اور اس سے اپنی جان بچانا فرض ہے، اور اگر کسب معاش پر قادر نہ ہو تو دوسروں سے سوال کرے۔ خورد و نوش کا انتظام نہ ہونے کے بہانے سے بیٹھے رہ کر ہلاک ہو جائے تو گنہگار ہوگا، غذا دستیاب نہ ہونے کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ جہاد کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اسلام، سرزمینِ اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ کرنا اور کفار کی شان و شوکت کو ختم کر دینا فرض ہے، اور یہ بغیر جہاد کے ممکن نہیں، اسی لیے اللہ تعالی نے جہاد کو فرض کیا ہے۔ اگر قدرت ہو تو اسی وقت جہاد شروع کر دینا اور اگر قدرت نہ ہو تو جہاں تک ممکن ہو قدرت حاصل کر کے جہاد شروع کرنا ضروری ہے۔ بیٹھے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اس مختصر سی بحث کے بعد اب ہم ذرا تفصیل سے بات کریں گے۔

## قدرت کا بیان

شریعت نے دو طبقے پر جہاد کو فرض نہیں کیا ہے:

① نابالغ، کیوں کہ نابالغ جب تک بالغ نہ ہو تب تک اس پر شریعت کا کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا۔

② عورت، کیوں کہ عورتوں کی جسمانی ساخت جہاد کے موافق نہیں ہوتی، البتہ بعض شرائط کے ساتھ عورتیں بھی جہاد کر سکتی ہیں۔ نابالغ بچوں، عورتوں اور شرعی اعتبار سے معذور لوگوں کے علاوہ باقی تمام بالغ مردوں پر شریعت نے جہاد کو فرض کیا ہے۔

جہاد کی قدرت دو طرح کی ہے:

① جہاد بالنفس یعنی اپنے جسم میں لڑنے کی قدرت و صلاحیت ہونا۔

② جہاد بالمال یعنی اپنے مال کو جہاد میں خرچ کرنے کی قدرت ہونا۔

جو شخص دونوں کی قدرت رکھتا ہو اس کے لیے دونوں ہی فرض ہیں اور جو ایک کی قدرت رکھتا ہو دوسرے کی نہیں، اس کے لیے ایک سے ہی فرض ہے۔

امام جصاص رحمہ اللہ (370ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وقوله: ﴿وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ فأوجب فرض الجهاد بالمال والنفس جميعا. فمن كان له مال وهو مريض أو مقعد أو ضعيف لا يصلح للقتال فعليه الجهاد بماله بأن يعطيه غيره فيغزو به، كما أن من له قوة وجلد وأمكنه الجهاد بنفسه كان عليه الجهاد بنفسه وإن لم يكن ذا مال ويسار بعد أن يجد ما يبلغه، ومن قوي على القتال وله مال فعليه الجهاد بالنفس والمال، ومن كان عاجزا بنفسه معدما فعليه الجهاد بالنصح لله

ولرسوله بقوله: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.﴾ -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 151)

ترجمہ: اللہ تعالی کا قول: ''اور تم جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے۔ سو اللہ تعالی نے جان اور مال دونوں سے جہاد کرنے کو فرض قرار دیا ہے۔ جس کے پاس مال ہے مگر وہ بیماری، لنگڑاپن یا ضعف کی وجہ سے قتال کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کے لیے اپنے مال کے ذریعے جہاد کرنا فرض ہے، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اپنا مال دوسروں کو دے دے جس سے وہ لوگ جہاد کریں۔ اور جو لوگ جسمانی طاقت وقدرت رکھتے ہوں، اگر ان کے پاس مال ودولت نہ بھی ہو تب بھی اگر ان کے لیے جہاد میں شرکت کے بقدر مال کا انتظام ہو جائے تو جہاد میں شرکت کرنا ضروری ہے۔ جو لوگ جہاد پر قدرت رکھتے ہوں اور ان کے پاس مال ودولت بھی موجود ہو تو ان کے لیے دونوں کے ذریعے جہاد کرنا فرض ہے، اور جو جسمانی طور پر معذور ہوں اور ان کے پاس مال بھی نہ ہو تو ان کے لیے ''اَلنُّصْحُ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ'' یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیر اندیشی کے ذریعے جہاد میں شرکت کرنا ضروری ہے، کیوں کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: '' لیکن اگر کوئی شخص ضعیف ہے' بیمار ہے' یا اس قدر نادار ہے کہ سفر کے اخراجات کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تو اللہ کی نظر میں وہ واقعتاً مجبور ومعذور ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ ان کو اس بات کا کوئی الزام نہیں دیا جاسکتا۔ جب خلوصِ دل سے اللہ اور اس کے رسول کا وفادار ہو'۔ -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (151/3)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) رقمطراز ہیں:

والعاجز عن الجهاد بنفسه يجب عليه الجهاد بماله في أصح قولي العلماء، وهو احدى الروايتين عن أحمد. فإن الله أمر بالجهاد بالمال والنفس في غير موضع من القرآن. وقد قال الله تعالى ﴿فاتقوا الله ما استطعتم﴾ وقال النبي ﷺ «إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم» أخرجاه في الصحيحن. فمن عجز عن الجهاد بالبدن لم يسقط عنه الجهاد بالمال، كما أن من عجز عن الجهاد بالمال لم يسقط عنه الجهاد بالبدن. -مجموع الفتاوى لابن تيمية (28/ 87)

ترجمہ: صحیح قول کے مطابق علمائے اسلام کی رائے یہ ہے کہ جو شخص جسمانی طور پر جہاد کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کے لیے مال کے ذریعے جہاد کرنا فرض ہے۔ ایک قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے، کیوں کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید کی مختلف جگہوں میں جان ومال دونوں کے ذریعے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے، نیز اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ ''تم حتی المقدور اللہ سے ڈرتے رہو'' اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ''جب میں تم لوگوں کو کسی چیز کے متعلق حکم کرتا ہوں تو اسے اپنی استطاعت کے مطابق بجالاؤ!'' امام بخاری رحمہ اللہ ومسلم رحمہ اللہ نے صحیحین میں اس حدیث کو نقل کیا ہے، لہذا جو لوگ جسمانی طور پر جہاد کرنے سے عاجز ہیں ان سے مال کا جہاد معاف نہیں ہوگا۔ جس طرح جو مال کے ذریعے جہاد کرنے سے عاجز ہیں ان سے جان کا جہاد معاف نہیں ہوتا۔ - مجموع الفتاوی لابن تیمیہ (87/28)

فمن كان له مال وهو عاجز ببدنه فليغز بماله ففي الصحيحين عن النبي ﷺ أنه قال «من جهز غازيا فقد غزا ومن خلفه في أهله بخير فقد غزا» ومن كان قادرا ببدنه وهو فقير فليأخذ من أموال المسلمين ما يتجهز به، سواء كان المأخوذ زكاة أو صلة أو من بيت المال أو غير ذلك. -مجموع الفتاوى لابن تيمية (28/ 421)

ترجمہ: جس شخص کے پاس مال ہو اور وہ جسمانی طور پر جہاد کرنے سے عاجز ہو تو ایسا شخص اپنے مال سے جہاد کرے۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضور ﷺ سے روایت ہے: جس نے کسی مجاہد کو (مال کے ذریعے جہاد میں جانے کے لیے) تیار کیا تو اس نے بھی جہاد کیا، جس نے (مجاہد کے جہاد میں جانے کے بعد) اس کے اہل و عیال کی دیکھ بھال عمدہ طریقے سے کی تو اس نے بھی جہاد کیا۔ اور جو جسمانی طور پر قادر ہے لیکن اس کے پاس مال نہیں ہے، تو وہ جہاد میں شامل ہونے کی مقدار مال دوسرے مسلمانوں سے حاصل کرے، خواہ وہ مال زکوٰۃ، صدقہ، بیت المال یا کسی اور ذریعے سے ہو۔ مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ (421/28)

لہذا:

① جو لوگ جسمانی طور پر اور مال کے ذریعے دونوں طرح سے جہاد کرنے پر قادر ہوں ان کے لیے جان و مال دونوں کے ذریعے جہاد کرنا فرض ہے۔

② اور جو لوگ صرف مال سے جہاد میں مدد کر سکتے ہیں، جسمانی طور پر جہاد کرنے پر قادر نہیں ہیں ان کے لیے مال کے ذریعے جہاد کی اعانت کرنا فرض ہے۔

③ اور جو لوگ جسمانی طور پر قدرت رکھتے ہوں لیکن مال کے ذریعے جہاد کی نصرت نہیں کر سکتے ان کے لیے جان سے جہاد میں شرکت کرنا فرض ہے۔

④ اور جو جان و مال دونوں میں سے کسی سے بھی جہاد کرنے پر قادر نہ ہوں بلکہ مکمل طور پر معذور ہوں ان کے لیے ''النصح للہ و رسولہ''، یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیر اندیشی کرنا فرض ہے، اور خیر اندیشی کیسے کرے؟ اس کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالی۔

## شرعی اعتبار سے معذور اور عاجز کون ہے؟

باری تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً﴾ [النساء: 95]

برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں، اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اللہ تعالی نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت (گھر میں) بیٹھنے والوں کے [النساء: 95]

یعنی عام حالت میں جب جہاد فرض کفایہ ہو اس وقت اہل استطاعت میں سے جو لوگ جہاد میں شرکت کرتے ہیں ان کے درجات ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو جہاد میں شرکت نہیں کرتے، اور جو لوگ معذور ہیں اور جہاد کرنے سے عاجز ہیں ان پر جہاد فرض نہیں ہے۔

کن اعذار کی بنا پر کسی کو معذور سمجھا جائے گا اس آیت میں اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا بلکہ دوسری آیت میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾ [الفتح:17]

ہاں کسی اندھے پر کوئی تنگی نہیں اور نہ ہی کسی لنگڑے پر اور نہ ہی کسی مریض پر کوئی تنگی ہے [فتح:17]

اس آیت کریمہ میں معذورین کے تین طبقے کا تذکرہ کیا گیا ہے:

① نابینا۔

② لنگڑا۔

③ بیمار۔

دوسری جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ.﴾ [التوبة:91-92]

کم طاقت والوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جبکہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں ان نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔ اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دیدیں اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں تو وہ (ناکام) اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں۔ کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ (افسوس) ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔ سورۃ توبۃ:92-91]

یہاں پر مزید دو طبقوں کے معذورین کا تذکرہ کیا گیا:

① ضعیف (کمزور)۔

② ایسے لوگ جن کے پاس میدانِ کارزار میں حاضر ہونے اور اس میں خرچ کرنے کے لیے مال و دولت اور سفر کی سواری وغیرہ نہیں ہے، اور بیت المال یا دوسرے کسی ذریعے سے بھی ان کے خرچے کا کوئی انتظام نہیں ہوا ہے۔

مذکورہ بالا آیتوں سمیت اس موضوع پر دیگر آیتیں واحادیث اور شرعی اصول و قواعد کی روشنی میں فقہائے کرام رحمہم اللہ نے درج ذیل طبقے کے لوگوں کو معذور قرار دیا ہے:

① نابینا۔

② لنگڑا۔

③ شدید بیمار۔

④ انتہائی کمزور۔

⑤ شیخ فانی۔

⑥ اپاہج۔

⑦ جس کا ہاتھ نہیں ہے۔

⑧ جن کے پاس میدان جنگ میں جانے اور اس میں خرچ کرنے کے لیے مال ودولت اور سواری نہیں ہے اور بیت المال یا دیگر کسی ذریعے سے ان کے خرچے کا انتظام نہیں ہو سکا۔

یاد رہے کہ ! یہ لوگ تب ہی معذور شمار ہوں گے جب کہ ان کے اعذار اس حد تک پہنچ جائیں کہ ان کے لیے جنگ کرنا بالکل ہی ناممکن ہو جائے۔

لہذا:

- معمولی سادھندلا پن۔
- معمولی لنگڑا پن جو جنگ کے لیے مانع نہ ہو۔
- تھوڑی بہت بیماری۔
- معمولی سی کمزوری۔
- بڑھاپا ہو مگر شیخِ فانی نہ ہو، جنگ کی قدرت رکھتا ہو۔
- ہاتھ، پاؤں یا دوسرے اعضاء میں کچھ دشواری ہو، لیکن جنگ کے لیے مانع نہ ہو۔
- محتاج ہو لیکن جنگ میں حاضری اور خرچہ اٹھانے کی قدرت موجود ہو یا بیت المال سے اسے خرچہ دیا جا رہا ہو، یا کسی دوسرے نے اس کے خرچے کا انتظام کر دیا ہو۔

اس طرح کے لوگ معذور نہیں ہیں۔ مکمل تندرست آدمی پر جس طرح مسلح جہاد فرض ہے اسی طرح ان پر بھی مسلح جہاد فرض ہے۔

(دیکھئے! بدائع الصنائع: ج6، ص58-69؛ فتاوی شامی: ج6، ص201-205؛ المغنی لابن قدامہ: ج10، ص367)

فائدہ: پہلے زمانے میں جہاد کے لیے دار الاسلام سے باہر کفار کے ملک میں جانا پڑتا تھا، جس کی قدرت سب کو نہیں ہوتی تھی اور آج کے زمانے میں جہاد کے لیے امریکہ یا یورپ جانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ آج اکثر جگہ ہمارے اپنے ملک میں ہی جہاد کا کام جاری وساری ہے۔ اس وقت ہم اپنے گھروں میں رہ کر بھی جہاد میں شرکت کر سکتے ہیں۔ جیسے ہمارے ملک میں ہے، اسی طرح دیگر ممالک میں بھی ایسا آدمی ملنا مشکل ہے جو پیسے کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو پا رہا ہو، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جہاد کے لیے بارہا دعوت دینے کے باوجود لوگ اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز معذور نہیں ہو سکتے!

## چند سوالات:

- جو لوگ لاکھوں روپے خرچ کر کے بار بار نفلی حج ادا کر رہے ہیں، کیا ایسے لوگ معذور ہیں؟
- جو لوگ عالیشان مکان خرید رہے ہیں، کیا وہ معذور ہے؟
- جن کے گھروں میں مہنگے مہنگے فرنیچر اور آرائشی سامان بھرے پڑے ہیں، کیا وہ لوگ معذور ہیں؟
- جو لوگ اپنی کاروں میں گھومتے ہیں، کیا وہ معذور ہیں؟
- جو اے۔سی (ائر کنڈیشن) کے بغیر رہ نہیں پاتے، کیا وہ معذور ہے؟
- جو لوگ سالانہ ایک ہی جلسے میں دس دس لاکھ روپے خرچ کر رہے ہیں، کیا وہ معذور ہیں؟
- جو لوگ اپنی اولاد کی شادی بیاہ میں دس دس بیس بیس دیگ بریانی بنا رہے ہیں، کیا وہ معذور ہیں؟
- جن کے تین تین لڑکے باہر ملک میں رہ رہے ہیں، کیا وہ معذور ہیں؟
- جن کی ٹراویل ایجنسی ہے، کیا وہ معذور ہیں؟
- جن کے بڑے بڑے تجارتی کتب خانے ہیں، کیا وہ معذور ہیں؟
- جن کی خود کی تجارتی کمپنی ہے، کیا ایسے رئیس لوگ بھی معذور ہیں؟
- جو لوگ نابینا، لنگڑے، بیمار، انتہائی کمزور، شیخ فانی، اپاہج یا ہاتھ پاؤں سے محروم نہیں ہیں، کیا وہ بھی معذور ہیں؟

امت مسلمہ کی اس نازک حالت میں جو لوگ خود بھی جہاد کے لیے نکل نہیں رہے، جہاد کے لیے معمولی رقم تک خرچ نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ "ہم کمزور ہیں"، "ہم معذور ہیں" حالانکہ ان کی حالت یہ ہے جو اوپر بتائی گئی، ایسی حالت میں کیا یہ لوگ واقعی معذور ہیں؟ امید ہے کہ قارئین کے لیے اس کا جواب دینا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔

## معذور لوگوں کی ذمے داریاں کیا کیا ہیں؟

ماقبل میں مذکور معذور طبقے جو عذر کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر پائیں، کے جہاد سے بری الذمہ ہونے کے لیے دو کام کرنا ضروری ہے:

① "النصح للہ ورسولہ" یعنی اللہ اور اس کے رسول کی خیر سگالی۔

② احسان واخلاص۔

جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ [سورۃ التوبۃ: 92-91]

کم طاقت والوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جبکہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں ان نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔[1]

اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دیدیں اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں تو وہ (ناکام) اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں۔ کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ (افسوس) ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔۔[سورۃ توبۃ: 91-92]

## ''النصح'' خیر سگالی اور احسان کسے کہتے ہیں؟

- النصح یا النصیحۃ کہتے ہیں کسی چیز کو خالص اور (پیور) کرنا، اسی لیے کہا جاتا ہے ''التوبۃ النصوحۃ'' یعنی خالص طور پر دل سے توبہ کرنا۔
- اور احسان کہتے ہیں، کسی چیز کو عمدہ اور بہترین طریقے سے انجام دینا۔ اچھا سلوک کرنا۔

چناں چہ معذور تب ہی فریضۂ جہاد سے بری الذمہ سمجھا جائے گا جب کہ اس کی نقل و حرکت اور قول و فعل سے پتہ چلے کہ وہ واقعی جہاد کے بارے میں مخلص ہے، جہاد و مجاہدین کا خیر اندیش ہے، جہاد اور مجاہدین سے اس کو دلی محبت ہے، اور اس کا صرف زبان سے اقرار کر لینا کافی نہیں ہو گا بلکہ اس کے قول و فعل سے ظاہر ہونا بھی ضروری ہے۔

## جن اعمال سے خیر سگالی اور احسان کا پتہ چلے گا:

- امام جصاص رحمہ اللہ (370 ھ) تحریر کرتے ہیں:

وكان عذر هؤلاء ومدحهم بشريطة النصح لله ورسوله؛ لأن من تخلف منهم وهو غير ناصح لله ورسوله بل يريد التضريب والسعي في إفساد قلوب من بالمدينة لكان مذموما مستحقا للعقاب. ومن النصح لله تعالى حث المسلمين على الجهاد وترغيبهم فيه والسعي في إصلاح ذات بينهم ونحوه مما يعود بالنفع على الدين، ويكون مع ذلك مخلصا لعمله من الغش؛ لأن ذلك هو النصح، ومنه التوبة النصوح. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 186)

ترجمہ: ان کا عذر قبول کیا جائے گا اور ان کی تحسین کی جائے گی اس شرط پر کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بہی خواہ ہوں، کیوں کہ ان میں سے جو جہاد سے پیچھے رہ گئے اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خیر اندیش نہیں ہیں بلکہ وہ لوگوں میں فساد پھیلا رہے ہیں اور ان میں پھوٹ پیدا کر رہے ہیں تو ان کی مذمت کی جائے گی اور وہ سزا کے مستحق ہوں گے۔

---

[1] اگر یہ لوگ اپنے علم میں معذور ہوں اور اپنی طرف سے خلوص و اطاعت میں کوشش کریں اور واقع میں کچھ کمی رہ جائے تو معاف کر دیں گے۔ بیان القرآن

اور اللہ تعالی کی خیر اندیشی میں یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کو جہاد کے لیے تحریض کریں، جہاد کے لیے انھیں برانگیختہ کریں، ان میں اصلاح کی کوشش کریں، اس کے علاوہ دیگر نیک اعمال انجام دیں جن سے دین کا فائدہ ہو، نیز اس معاملے میں ان کے سارے اعمال کا دھوکے سے پاک اور خالص ہونا ضروری ہے، اسی کو النصح یعنی خیر خواہی کہا جاتا ہے۔ یہاں سے التوبۃ النصوحہ مشتق ہے یعنی خالص اور دلی توبہ۔ أحکام القرآن للجصاص ط العلمیة (3/ 186)

اس تشریح میں ہمیں خیر اندیشی کے متعلق چند اعمال ملے:

① مسلمانوں کو جہاد کی طرف مائل کرنا اور ان کو تحریض دلانا۔

② آپس میں ان کی اصلاح کے لیے جد جہد کرنا۔

③ اس قسم کے دیگر اعمال جن سے دین کا فائدہ ہو۔

اور ان کاموں کے لیے شرط ہے کہ وہ مخلصانہ طور پر انھیں انجام دیں، ان میں ریاکاری شامل نہ ہو۔

نیز اس تشریح میں خیر اندیشی کے منافی اعمال بھی ملے:

① فساد پھیلانا۔

② مسلمانوں میں پھوٹ پیدا کرنا۔

③ اخلاص کے ساتھ ہمدرد بن کر کام نہ کرنا بلکہ ریاکاری کے لیے کرنا۔

• امام رازی رحمہ اللہ (606ھ) تحریر فرماتے ہیں:

ثم إنه تعالى شرط في جواز هذا التأخير شرطا معينا وهو قوله: ﴿إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ إذا نصحوا لله ورسوله ومعناه أنهم إذا أقاموا في البلد احترزوا عن إلقاء الأراجيف، وعن إثارة الفتن، وسعوا في إيصال الخير إلى المجاهدين الذين سافروا، إما بأن يقوموا بإصلاح مهمات بيوتهم، وإما بأن يسعوا في إيصال الأخبار السارة من بيوتهم إليهم، فإن جملة هذه الأمور جارية مجرى الإعانة على الجهاد. -تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير: 16/ 121

ترجمہ:

اللہ تعالی نے ان کو ایک شرط پر پیچھے رہنے کی اجازت دی ہے، جس کو اللہ تعالی نے اس آیت میں ارشاد فرمایا:

"اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر اندیش ہوں"۔ معنی یہ ہے کہ جب وہ لوگ شہر میں رہیں تو افواہیں، فتنے اور جھوٹی و من گھڑت خبریں پھیلانے سے پرہیز کریں، اور جو مجاہدین سفرِ جہاد کے لیے نکل پڑیں ان کی مدد کے لیے کوشش کرتے رہیں، اس طرح کہ مجاہدین کے اہل وعیال کی ضرورتیں پوری کردیں یا پھر ان کے اہل عیال کی خوش کن خبریں مجاہدین تک پہنچادیں، کیوں کہ یہ سب اعمال نصرتِ جہاد میں شامل ہیں۔

-تفسیر الرازی=مفاتیح الغیب أوالتفسیر الکبیر:121/16

اس تشریح میں ہمیں چند مزید خیر اندیشی کے اعمال مل گئے:

④ شہر میں رہتے ہوئے افواہیں اور جھوٹی خبریں نہ پھیلانا۔

⑤ فتنہ پیدا کرنے سے احتراز کرنا۔

⑥ مجاہدین کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کے ذریعے ان کی مدد کرنا۔

⑦ ان کے گھر والوں کی خوش کن خبریں ان تک پہنچانے میں تعاون کرنا۔

•ابن کثیر رحمہ اللہ(774 ھ)تحریر کرتے ہیں:

فليس على هؤلاء حرج إذا قعدوا و نصحوا في حال قعودهم، ولم يرجفوا بالناس، ولم يثبطوهم، وهم محسنون في حالهم هذا. -تفسير ابن كثير ط العلمية (4/ 174)

ترجمہ: ان معذورین کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے جو جہاد سے پیچھے رہ گئے جب کہ وہ مسلمانوں کے لیے بہی خواہ ہوں اور ان میں افواہیں نہ پھیلائیں اور جہاد سے ان کو مایوس نہ کریں، اور ان کاموں میں وہ محسن ومخلص ہوں۔(تفسیر ابن کثیر، ط علمیہ: ج4:، ص174)

اس تشریح میں خیر اندیشی کا ایک اور طریقہ معلوم ہوا:

⑧ مسلمانوں کو جہاد سے ناامید نہ کرنا۔

•امام القرطبی رحمہ اللہ(671 ھ)تحریر کرتے ہیں:

﴿إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ إذا عرفوا الحق وأحبوا أولياءه وأبغضوا أعداءه. -تفسير القرطبي (8/ 226)

ترجمہ: ’’اگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خیر اندیش ہوں‘‘یعنی جب کہ وہ حق سے آشنا ہوں اور حق پرستوں سے محبت رکھتے ہوں اور حق کے دشمنوں سے بغض رکھتے ہوں۔(تفسیر القرطبي:(226/8)

اس تشریح سے خیر سگالی کے اور بھی چند اعمال معلوم ہوئے:

⑨ حق سے آشنا ہونا۔(اس وقت کس کے خلاف قتال کرنا حق ہے یہ جاننا بھی اس میں شامل ہے)

⑩ حق پرست مجاہدین سے محبت رکھنا۔

⑪ اور ان کے دشمنوں سے بغض وعداوت رکھنا۔

•علامہ سعدی رحمہ اللہ(1376 ھ)تحریر کرتے ہیں:

﴿وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ أي: لا يجدون زادا، ولا راحلة يتبلغون بها في سفرهم، فهؤلاء ليس عليهم حرج بشرط أن ينصحوا لله ورسوله، بأن يكونوا صادقي الإيمان، وأن يكون من نيتهم وعزمهم أنهم لو

قدروا لجاهدوا، وأن يفعلوا ما يقدرون عليه من الحث والترغيب والتشجيع على الجهاد. -تفسير السعدي = تيسير الكريم الرحمن (ص: 348)

ترجمہ: ''اوران پر بھی کوئی گناہ نہیں جو خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں رکھتے''یعنی سفرِ (جہاد) میں خرچ کرنے کے لیے سامانِ سفر اور سواری نہیں رکھتے، ایسے لوگ گنہگار نہیں ہوں گے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بہی خواہ ہوں اس طرح کہ اپنے دعوائے ایمانی میں سچے ہوں اور ان کے ارادے پکے ہوں کہ جب قدرت حاصل ہو جائے تو جہاد میں شرکت کریں گے اور بر وقت جو بس میں ہو وہ کریں، یعنی لوگوں کو تحریض دلائیں، جہاد کی ترغیب دیں، جہاد کے سلسلے میں ان کی حوصلہ افزائی کریں، (تفسیر سعدی=تیسیر الکریم الرحمن: ص347)

اس تشریح سے خیر اندیشی کے متعلق ایک اور عمل معلوم ہوا:

⑫ عزم مصمم یعنی پکا ارادہ رکھنا کہ جب بھی قدرت حاصل ہو تو جہاد میں شریک ہو جائے۔

• علامہ آلوسی رحمہ اللہ (1270ھ) تحریر کرتے ہیں:

وقد يراد بنصحهم المذكور بذل جهدهم لنفع الإسلام والمسلمين بأن يتعهدوا أمورهم وأهلهم وإيصال خبرهم إليهم ولا يكونوا كالمنافقين الذين يشيعون الأراجيف إذا تخلفوا. -تفسير الألوسي = روح المعاني: 5/ 345

ترجمہ:

مذکورہ خیر سگالی سے یہ بھی مراد ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کے لیے کوشش کریں، مثلاً مجاہدین اور ان کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کریں، اہل و عیال کی حالت سے انھیں واقف کرائیں اور منافقین کی طرح بیٹھے بیٹھے افواہیں اور جھوٹی خبریں نہ پھیلائیں۔ (تفسیر الآلوسی=روح المعانی: 345/5)

اس تشریح سے خیر اندیشی کا ایک اور عمل معلوم ہوا:

⑬ مجاہدین کی ضروریات کی خبر گیری کرنا۔

**مفسرین کرام کی مندرجہ بالا تشریحات سے خیر اندیشی کے پندرہ عمل معلوم ہوئے جو درج ذیل ہیں:**

① حق جہاد کون سا ہے، اسے جاننا۔

② حق پرست مجاہدین سے محبت رکھنا۔

③ ان کے دشمنوں سے بغض و عداوت رکھنا۔

④ عزم مصمم یعنی پختہ ارادہ رکھنا کہ جب بھی قدرت حاصل ہو گی تو جہاد میں شرکت کروں گا۔

⑤ مجاہدین کی ضروریات کی خبر گیری کر کے ان ضروریات کو پورا کرنا۔

⑥ مجاہدین کے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرنے میں ان کی مدد کرنا۔

⑦ ان کے گھر والوں کی خوش خبری ان تک پہنچانے میں ان کی مدد کرنے کی کوشش کرنا۔

⑧مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینااور جہاد کے لیے انھیں برانگیختہ کرنا۔ جہاد کے حوالے سے ان کی حوصلہ افزائی کرنااور ہمت بڑھانا۔

⑨ان کی آپس میں اصلاح کی کوشش کرنا۔

⑩اس طرح کے دیگر امور جن سے دین کا فائدہ ہو، سرانجام دینا۔

⑪افواہیں، جھوٹی اور من گھڑت خبریں پھیلانے سے پرہیز کرنا۔

⑫فتنہ وفساد سے دوری اختیار کرنا۔

⑬افراتفری اور بدامنی پیدانہ کرنا۔

⑭لوگوں میں پھوٹ ڈالنے سے بچنا۔

⑮کسی کو جہاد سے ناامید نہ کرنا۔

جب کوئی معذور شخص اخلاص کے ساتھ مذکورہ بالا امور اور ان جیسے دیگر امور کو انجام دے اور جن امور سے بچنا چاہیے ان سے بچے تو اس وقت اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بہی خواہ شمار کیا جائے گا اگرچہ وہ جہاد سے پیچھے رہ گیا ہے لیکن پھر بھی اسے جہاد کی ذمے داری نبھانے والا سمجھا جائے گا۔اس کے برعکس اگر مذکورہ امور کو ٹھیک ٹھاک سے انجام نہ دے تو اسے جہاد کی ذمے داری نبھانے والا نہیں سمجھا جائے گا بلکہ گنہگار اور سزا کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

## ہمارے معاشرے کی حالت کیا ہے؟

اب اگر ہم اپنے معاشرے کی حالت پر نظر ڈالیں تو کیا دیکھنے کو ملتا ہے؟ جو لوگ علانیہ طور پر جہاد کی مخالفت کر رہے ہیں وہ تو ہیں ہی، جو خود کو جہاد کا حامی اور جہاد سے محبت کا دعوی کرتے ہیں کیا واقعی وہ جہاد کی ذمے داریاں نبھا رہے ہیں؟

مذکورہ اعمال جو اوپر بتائے گئے وہ تو معذوروں کے لیے ہیں، مگر جو حضرات تندرست اور مالدار ہیں، تندرستی کے اعمال نہ سہی، کیا وہ معذورین کے ہی ان اعمال کو انجام دے رہے ہیں؟ اگر نہیں، تو پھر وہ کس منہ سے یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ جہاد کا فریضہ انجام دے رہے ہیں؟ اللہ کے پاس وہ کیسے معافی کی امید کر سکتے ہیں؟

## ہماری خود کی کیا حالت ہے؟

کیا ہم خود بھی جہاد کی مکمل ذمے داری ادا کر پا رہے ہیں؟ دوسروں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ ہم اپنی ذمے داریوں کو مکمل طور پر نبھا رہے ہیں؟ یا ہمیں بھی اللہ کے دربار میں شرمندہ ہونا پڑے گا؟

## کفار کے مقابلے سے عاجز ہونے کے وقت کیا کرنا چاہیے؟

''اعداد فرض نہیں ہے'' ایسا کہنے والوں کا اصل سوال یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم معذور نہیں ہیں، ہم پر جہاد فرض ہے، مگر ہم تو کفار کے ساتھ مقابلے کی قدرت نہیں رکھتے!! کفار کی طاقت کے مقابلے میں ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے!!

اس کا جواب یہ ہے کہ ''ہم ان سے مقابلے کی قدرت نہیں رکھتے'' کہنا صحیح نہیں ہے، ہم جہادی محاذ کو چھوڑ کر اپنی اپنی مصلحتوں میں مصروف ہیں، شیطان اور اس کے کارندوں نے کفار کی طاقت کو ہمارے سامنے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے، میدان جنگ میں اترنے کے بعد اللہ کی طرف سے جو نصرت آتی ہے آج ہم نے اس کو بھلا دیا ہے، اس لیے ہمیں ایسا لگ رہا ہے کہ ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جہادِ افغانستان ہمارے سامنے ہے۔ کس طرح روسی لال کتے افغانستان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے، وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ امریکی قیادت میں پوری دنیا کی کفری طاقتوں نے افغانستان پر لشکر کشی کی، گنتی کے چند مجاہدین کے سامنے وقت کی سپر پاور کس طرح شکست سے دوچار ہوئی اور ہو رہی ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔

لہذا ''ہم میں طاقت نہیں ہے''، ''ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے''، یہ سب باتیں صحیح نہیں ہیں، اگر پوری دنیا کے مسلمان اللہ کے حکم کے مطابق اپنی جان و مال کی قربانی دینے کے لیے کمربستہ ہو جائیں تو ان کے سامنے دنیا بھر کی کفری طاقتیں ہیچ ہیں۔ وہ دو دن بھی ان کے سامنے ٹک نہیں سکتے۔

اگر ہم مان بھی لیں کہ ہم کفار سے مقابلہ نہیں کر سکتے تو ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ گھر میں بیٹھے رہنا؟ اگر ہم واقعی شریعت کے متبع ہونے کے دعویدار ہیں، تو ایسی حالت میں شریعت جو کہتی ہے، ماہرین شریعت ائمہ کرام جو فرماتے ہیں اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

## مقابلے سے عاجز ہونے کی دو صورتیں:

کفار کے مقابلے سے عاجز ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

① جنگ شروع کرنے کے بعد میدان جنگ میں ان کے سامنے نہ ٹک پانا۔

② جنگ شروع کرنے سے پہلے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ معلوم ہونا کہ اگر ہم کفار سے مقابلے پر اتر آئے تو کامیاب نہیں ہو سکتے، ان کی طاقت کے سامنے ہم ٹک نہیں پائیں گے۔

ان دونوں صورتوں کے متعلق شریعت کی طرف سے کب کیا حکم ہے؟

## میدان جنگ میں کفار کا مقابلہ نہ کر پانے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

کفار کے خلاف میدان جنگ میں اترنے کے بعد اگر کوئی مجاہد یا کوئی جہادی جماعت کفار سے مقابلہ نہ کر پائے بلکہ انھیں خدشہ ہو کہ اگر انھوں نے جنگ جاری رکھی تو وہ سب ہلاک ہو جائیں گے، اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

① جنگ کا پینترا بدل دیں، کفار کو دکھائیں کہ مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں، حالانکہ حقیقت میں ان کا مقصد دوسری طرف سے آکر ان پر چڑھائی کرنا ہو، چناں چہ حقیقت میں یہ بھاگنا نہیں ہے۔

② یا پھر طاقت حاصل کر کے دوبارہ چڑھائی کرنے کی نیت سے میدان چھوڑ کر دوسرے مسلمانوں کے پاس پناہ لیں، البتہ اس عمل کے جواز کے لیے شرط یہ ہے کہ میدان چھوڑ کر مسلمانوں کی ایسی جماعت کے پاس پناہ لیں، جن سے انھیں نصرت ملے اور طاقت حاصل کر کے دوبارہ کفار پر چڑھائی کر سکیں، جنگ چھوڑنے کی نیت سے میدانِ حرب سے بھاگنا اور ایسے مسلمانوں کے پاس پناہ لینا جائز نہیں ہو گا جن سے طاقت حاصل کر کے دوبارہ حملہ کرنے کی کوئی نصرت نہ ملے۔

غرض، جنگ چھوڑ کر بیٹھے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر ممکن ہو تو محاذ پر ہی پینترا بدل کر حملہ کریں، یا پھر از سر نو طاقت حاصل کر کے پھر سے چڑھائی کرنے کے پختہ ارادے کے ساتھ میدان جنگ کو ترک کریں۔

ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیے بغیر میدان جنگ سے بھاگنا گناہ کبیرہ میں سے ہے، جس کی وجہ سے انسان جہنم کا مستحق بن جاتا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ ٱلْأَدْبَارَ ۝ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُۥٓ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَمَأْوَىٰهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ.﴾

(سورۃ الأنفال 15-16)

ترجمہ:

اے ایمان والو جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا۔

اور جو شخص ان سے اس موقع پر (مقابلہ کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنٰی ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجاوے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو گا۔ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (سورۃ الأنفال 15-16)[2]

بخاری کی روایت ہے:

عن أبي هريرة رضی الله عنہ عن النبي ﷺ قال: «اجتنبوا السبع الموبقات» قالوا: يا رسول الله! وما هن قال: «الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق وأكل الربا وأكل مال اليتيم والتولي يوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات». —صحيح البخاري: 2766

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو! ان میں سے ایک کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: جب کفار حملہ آور ہوں تو میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے سے بچو۔ (صحیح بخاری: حدیث: 2766)

---

[2] جہاد سے بھاگنا حرام ہے ہاں اگر کافر دونے سے زیادہ ہوں تو جائز ہے اور جب دونے سے زیادہ نہ ہوں تب بھی دو صورتیں جواز کی ہیں جن کو آیت میں مستثنی فرمایا ہے ایک یہ کہ دھوکا دینے کو سامنے سے بھاگا ہو تا کہ حریف غافل ہو جائے پھر دفعتا لوٹ کر اس پر حملہ کرنے دوسرے یہ کہ مقصود اصلی بھاگنا نہ ہو بلکہ بوجہ بے سروسامانی وغیرہ عوارض کے اپنی جماعت میں اس غرض سے آملا کہ ان سے قوت اور معونت حاصل کر کے پھر جا کر مقابل ہو گا۔ بیان القرآن

مذکورہ بالا دونوں صورتیں جائز ہیں، لیکن اگر مجاہدین میدان جنگ سے پیچھے نہ ہٹیں، یہاں تک کہ کفار سے لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرمالیں، تو بھی اللہ کے یہاں یہ بہت ہی اعلی اور محبوب ترین عمل ہے، جیسا کہ جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ پر مرمٹنے والے چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں انھیں سراہا ہے۔ چناں چہ موت کو یقینی جانتے ہوئے بھی میدان جنگ سے نہ بھاگ کر دین کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا خود کشی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی کی خوشنودی اور معیت حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔

## دلائل اور فقہائے کرام کے اقوال:

میدان جنگ میں کفار کے ساتھ مقابلہ کرنے سے عاجز ہونے کے وقت جن تین صورتوں کو اختیار کرنا ہے، اب ہم ان کے دلائل کے حوالے سے مختصر انداز میں بحث کریں گے اور ساتھ ساتھ اس بارے میں فقہائے کرام کی قیمتی آراء بھی قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے ان شاءاللہ تعالی۔

## اولا: جنگی چال اور پینترا بدلنے کی دلیل:

اللہ تعالی کا قول:

﴿يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ. وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭوَبِئْسَ الْمَصِيْرُ.﴾

(سورۃ الأنفال 15-16)

اے ایمان والو جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا۔ اور جو شخص ان سے اس موقع پر (مقابلہ کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنٰی ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجاوے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (سورۃ الأنفال 15-16)

اس آیتِ کریمہ میں ﴿إلا متحرفاً لقتال﴾ "اگر کوئی جنگی چال یا پینترا بدلنے کی غرض ایسا کرے" سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

## ثانیا: میدان جنگ سے پسپائی جائز ہونے کی دلیل:

① سورہ انفال کی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کا یہ حصہ ﴿أو متحيزا إلى فئة﴾ "یا اپنی کسی جماعت سے جاملنا چاہتا ہو" میدان جنگ سے پسپائی کی دلیل ہے۔

② حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابوداؤد اور ترمذی میں منقول ہے:

آپ ﷺ نے (نجد) کی طرف ایک لشکر روانہ کیا، وہ دشمنوں کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکے اور میدان چھوڑ کر واپس لوٹ آئے، انھوں نے سمجھا کہ میدان جنگ سے بھاگنے کی وجہ سے آیت میں مذکور سزا کے مستحق بن گئے، اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے، اس لیے وہ مدینہ میں لوٹ کر ابتداءً چھپ

چھپ کر رہنے لگے، بالآخر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: ''یارسول! اللہ نحن الفرارون''یعنی اے اللہ کے رسول! ہم تو جنگ کے میدان سے بھاگ آئے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بل أنتم العكارون وأنا فئتكم» یعنی نہیں! تم لوگ بھاگے نہیں، بلکہ تم لوگ دوبارہ جنگ کے لیے نصرت لینے آئے ہو اور میں تم لوگوں کی نصرت کرنے والا ہوں۔(جامع ترمذی: حدیث:1716، سنن ابی داؤد: حدیث:2647)

یعنی چوں کہ تم لوگ میرے پاس لوٹ کر دوبارہ جنگ کی تیاری کروگے اس لیے تم لوگوں کا جنگ سے بھاگنا حقیقۃً جنگ سے بھاگنا نہیں ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کی تصریح سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، انھوں نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد ''العکار'' کی تشریح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

''و العكار الذي يفر إلى إمامه لينصره ليس يريد الفرار من الزحف.''

ترجمہ: ''العکار''اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بھاگ کر اپنے امام کے پاس لوٹتا ہے تاکہ امام اس کی نصرت کرسکے، جنگ کے میدان سے بھاگنا اس کا مقصد نہیں ہے۔

حدیث کی سند:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے،البتہ سند میں یزید بن زیاد نامی جو راوی ہے اس کے ثقہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن فقہائے کرام نے اس حدیث کو بہ طور دلیل استعمال کیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ یزید بن زیاد کے بارے میں کلام ہے، مگر اس وجہ سے یہ حدیث اس قدر ضعیف نہیں ہوئی ہے کہ اسے بہ طور دلیل استعمال نہ کیا جائے۔اس کے علاوہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو بہ طور دلیل استعمال کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

③ حضرت ابوعبید بن مسعود الثقفی رحمہ اللہ کی قیادت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عراق میں جنگ کے لیے ایک قافلہ روانہ کیا، آپ رحمہ اللہ نے جنگ کرتے کرتے جام شہادت نوش فرمالیا، لیکن پھر بھی محاذ سے پیچھے ہٹنے پر راضی نہیں ہوئے۔جب یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ ابوعبید رحمہ اللہ پر رحم فرمائے! اگر وہ میدان چھوڑ کر میرے پاس لوٹ آتے تو میں ان کا مددگار بنتا۔

اس کے بعد ابوعبید رحمہ اللہ کا لشکر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان پر کوئی سختی نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ میں تم لوگوں کا مددگار ہوں۔

یعنی چوں کہ تم لوگ میرے پاس لوٹ کر دوبارہ جنگ کے لیے تیاری کروگے اس وجہ سے تمھارا میدان سے پیچھے ہٹنا حقیقۃً میدان سے بھاگنے میں شمار نہیں ہوگا۔آیت میں مذکور وعید تم لوگوں کے لیے نہیں ہے۔یہ واقعہ تاریخ میں معروف و مشہور ہے۔

فائدہ: میدان جنگ سے بھاگنا اس شرط پر جائز ہے جب کہ دوبارہ جنگ کرنے کی نیت ہو۔

مذکورہ آیت ﴿أو متحيزا إلى فئة﴾ ''یا وہ اپنی کسی جماعت سے جاملنا چاہتا ہو''میں ''فئة'' سے مراد ایسی جماعت ہے جس سے (مجاہدین کو) نصرت ملے گی اور جنگ کی تیاری کرکے دوبارہ چڑھائی کی جاسکے گی۔ چناں چہ جنگ سے علیحدگی اختیار کرنے کی نیت سے محاذ سے بھاگنا جائز نہیں ہے، اسی

طرح ایسی جماعت کے پاس جانا بھی جائز نہیں ہے جن سے دوبارہ جنگ کے لیے تیاری کی نصرت نہیں ملے گی، اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! تم لوگ بھاگنے والوں میں سے نہیں ہو، بلکہ دوبارہ جنگ کی نصرت کے لیے آئے ہو اور میں تم لوگوں کا مددگار ہوں۔ یعنی میرے پاس لوٹ کر آنا محاذ سے بھاگنا نہیں بلکہ یہ لوٹنا دوبارہ جنگ کی تیاری کے لیے لوٹنا ہے۔

ابو عبید رحمہ اللہ کے واقعے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی فرمایا تھا: "اللہ ابو عبید رحمہ اللہ پر رحم فرمائے! اگر وہ محاذ سے واپس میرے پاس لوٹ آتے تو میں ان کا مددگار بنتا" یعنی ایسی حالت میں محاذ سے بھاگنے سے مذکورہ آیت میں جو وعید آئی ہے اس کے وہ مستحق نہیں ہوتے، کیوں کہ میں ان کی مدد کرتا، میری مدد سے ان میں دوبارہ جنگ میں شرکت کرنے کی قدرت پیدا ہو جاتی۔

اس کے بعد ابو عبید رحمہ اللہ کا لشکر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس محاذ سے لوٹ آیا تو ان کے لیے بھی عمر رضی اللہ عنہ نے وہی فرمایا کہ میں تم لوگوں کا مددگار ہوں۔

یعنی تم لوگوں کا محاذ سے پیچھے ہٹنا اس لیے جرم نہیں ہے کیوں کہ تم لوگ میری مدد لے کر پھر سے جنگ میں شرکت کروگے۔

## ثالثا: شہادت تک لڑتے رہنا جائز اور قابل تحسین ہونے کی دلیل:

① رسول اللہ ﷺ نے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دس صحابہ کا ایک لشکر روانہ فرمایا، دورانِ سفر قبیلۂ بنو لحیان کے کفار کو اس کی خبر مل گئی، تقریباً ان کے سو تیر اندازوں نے ان صحابہ کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا، مجبوراً انھوں نے ایک پہاڑی پر پناہ لی، کفار نے انھیں تسلی دی کہ اگر تم لوگ ہتھیار ڈال دو تو ہم تمھیں قتل نہیں کریں گے، ان میں سے تین صحابی رضی اللہ عنہم نے اپنے ہتھیار ڈال دیے، مگر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا، کافروں نے ان کو ان کے ساتھیوں سمیت شہید کر دیا۔

قریشِ مکہ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر ان کے قتل کی تصدیق کے طور پر ان کے جسمِ اطہر کا کوئی عضو لے جانے کے لیے آدمی بھیجا، ادھر اللہ رب العزت نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کی حفاظت کے لیے شہد کی مکھیوں کو بھیج دیا جنھوں نے ان کو چاروں طرف سے سایے کی طرح گھیر رکھا تھا، جسے دیکھ کر مارے خوف کے کفارِ مکہ نے ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں کی۔

اس واقعے میں ان سات صحابہ نے موت کو یقینی جانتے ہوئے بھی کفار کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی ذلت برداشت نہیں کی، ان کے اس کارنامے کو ناجائز کہنا تو کجا، آپ ﷺ نے ان کے اس کارنامے کی تحسین فرمائی۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب بندے کے جسم کی حفاظت کے لیے شہد کی مکھی تک کو بھیج دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بخاری، کتاب المغازی اور اس کی شروحات)

② جنگ احد میں آپ ﷺ کے تحفظ کی خاطر صحابہ کے ایک جانثار گروہ نے خود کو قربان کر دیا، اس جانثاری پر ان کی تحسین کی گئی اور ان کے درجات بلند ہوئے۔

چناں چہ موت کو یقینی جانتے ہوئے بھی جنگ جاری رکھنا، کوئی خودکشی نہیں ہے، بلکہ اللہ کی خوشنودی اور قربت حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے اور یہ بات بہت سی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سے ثابت شدہ ہے۔ یہاں پر اس کی تفصیل میں جانا ہمارا مقصد نہیں ہے، وضاحت کے لیے چند ایک دلائل کو ذکر کیا جاتا ہے۔

## فقہائے کرام کی آراء

علامہ کاسانی رحمہ اللہ (587ھ) تحریر فرماتے ہیں:

(فصل): وأما بيان من يفترض عليه فنقول: إنه لا يفترض إلا على القادر عليه، فمن لا قدرة له لا جهاد عليه؛ لأن الجهاد بذل الجهد، وهو الوسع والطاقة بالقتال، أو المبالغة في عمل القتال، ومن لا وسع له كيف يبذل الوسع والعمل...؟ وعلى هذا الغزاة إذا جاءهم جمع من المشركين ما لا طاقة لهم به، وخافوهم أن يقتلوهم، فلا بأس لهم أن ينحازوا إلى بعض أمصار المسلمين أو إلى بعض جيوشهم. والحكم في هذا الباب لغالب الرأي، وأكبر الظن دون العدد، فإن غلب على ظن الغزاة أنهم يقاومونهم يلزمهم الثبات، وإن كانوا أقل عدداً منهم، وإن كان غالب ظنهم أنهم يغلبون فلا بأس أن ينحازوا إلي المسلمين؛ ليستعينوا بهم، وإن كانوا أكثر عدداً من الكفرة، وكذا الواحد من الغزاة ليس معه سلاح مع اثنين منهم معهما سلاح، أو مع واحد منهم من الكفرة ومعه سلاح، لا بأس أن يولي دبره متحيزا إلي فئة والأصل فيه: قوله تبارك وتعالي: ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ.﴾ الله عز شأنه نهي المؤمنين عن تولية الأدبار عاماً بقوله تبارك وتعالي: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ.﴾ وأوعد عليهم بقوله سبحانه وتعالي ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ الآية: لأن في الكلام تقديما وتأخيرا معناه والله سبحانه وتعالي أعلم ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ. وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ثم استثنى سبحانه وتعالي ومن يولي دبره لهجة مخصوصة فقال عز من قائل: ﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ والاستثناء من الحظر إباحة فكان المحظور تولية مخصوصة، وهي أن يولي دبره غير متحرف لقتال ولا متحيز إلي فئة. فبقيت التولية إلي جهة التحرف والتحيز مستثناة من الحظر فلا تكون محظورة. -بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (6/ 58-59، ط. زكريا)

ترجمہ: فصل: جن لوگوں پر جہاد فرض ہے ان کا بیان: علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ جہاد فقط صاحب قدرت پر فرض ہے، جو صاحب قدرت میں سے نہیں ہے اس پر جہاد فرض نہیں، کیوں کہ جہاد کہتے ہیں قتال کے ذریعے اپنی قوت وقدرت صرف کرنے کو اور جس کے پاس قوت نہ ہو وہ اسے خرچ کیسے کر سکتا ہے؟

اس اصول کے تحت جب مجاہدین کے خلاف مشرکین کا ایسا لشکر میدان جنگ میں اتر آئے جن سے مقابلہ کرنے کی طاقت مجاہدین میں نہ ہو، بلکہ خدشہ ہو کہ مشرکین انھیں قتل کر ڈالیں گے، تو ایسی حالت میں ان کے لیے مسلمانوں کے کسی شہر یا دوسرے مجاہدین کے پاس پناہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور اس بارے میں اکبر رائے یعنی ظنِ غالب سے فیصلہ کیا جائے گا، تعداد کے اعتبار سے نہیں ہوگا، اگر مجاہدین کا غالب گمان اس طرف ہو کہ وہ ان کفار سے مقابلہ کر سکتے ہیں تو ان کے لیے جنگ میں ثابت قدم رہنا ضروری ہے، اگرچہ ان کی تعداد کفار سے کم ہو۔

اس کے برعکس اگر غالب گمان اس طرف ہو کہ مجاہدین کی شکست ہو گی، تو اس وقت دیگر مسلمانوں سے مدد لینے کی غرض سے ان کے ہاں پناہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر مجاہدین کی تعداد کفار سے زیادہ بھی ہو تب بھی ایسی حالت میں ان کے لیے مدد کی نیت سے پناہ لینا جائز ہے۔

اسی طرح کوئی نہتا مجاہد جس کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے ایک یا ایک سے زائد مسلح کافر فوجیوں کے مقابلے سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس پناہ لے سکتا ہے (اس میں کوئی گناہ نہیں)۔

اس کی دلیل اللہ رب العزت کا یہ ارشاد: ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭوَبِئْسَ الْمَصِيْرُ.﴾ اور جو شخص ان سے اس موقع پر (مقابلہ کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پیترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنٰی ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجاوے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو گا۔ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ [الأنفال-16]

اللہ رب العزت نے اپنے درج ذیل ارشاد میں ہر طرح کے بھاگنے کو ممنوع قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ.﴾

اے ایمان والو جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا۔ (الأنفال-15)

اور درج ذیل ارشاد میں بھاگنے کی وجہ سے ان کو سخت وعید کی تنبیہ فرمائی: ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾

''اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجاوے گا۔''

کیوں کہ اس آیت کریمہ میں فن بلاغت کی ''تقدیم وتاخیر'' کا قاعدہ استعمال ہوا ہے۔ اس اعتبار سے (اللہ رب العزت کے کلام کو اچھے سے سمجھنے کے لیے) آیت کا معنی (اس طرح سمجھیے):

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ. وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾

اے ایمان والو جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا۔ ''اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجاوے گا۔

اس کے بعد اللہ رب العزت نے اس وعید سے ان لوگوں کو استثنیٰ کیا ہے جو ایک خاص حالت میں محاذ سے بھاگ جائیں، اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿إلا متحرفا لقتال أو متحيزا إلى فئة﴾ یعنی ''ہاں جو لڑائی کے لیے پیترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنٰی ہے۔''

جب ایک چیز کو ممنوع قرار دینے کے بعد اس سے کسی خاص امر کا استثناء کیا جاتا ہے تو اب وہ چیز ممنوع نہیں رہتی بلکہ جائز ہو جاتی ہے۔ چناں چہ اس سے معلوم ہوا کہ ممنوع قرار دیا گیا ایک خاص قسم کے بھاگنے کو، اور وہ ہے جنگ کا پیترا بدلنے یا مدد کرنے والی کسی مسلم جماعت سے جا ملنے کی نیت کے بغیر

ہی بھاگنا۔ اور جنگ کا پینترا بدلنے یا مدد کرنے والی مسلمانوں کی جماعت سے جاملنے کی نیت سے بھاگنا اس ممانعت میں شامل نہیں ہوگا۔ لہذا یہ بھاگنا ناجائز نہیں ہے۔ (بدائع صنائع طبع زکریا: ج: 6ص)

علامہ کاسانی رحمہ اللہ کی تحریر سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ مقابلہ سے عاجزی کے وقت محاذ سے بھاگنا جائز ہے، البتہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ بھاگنا دوبارہ جنگ کی تیاری کی نیت سے ہو، اگر جہاد چھوڑ کر گھر میں بیٹھے رہنے کی نیت سے بھاگے تو وہ اس آیت کی وعید کا مستحق ٹھرے گا۔

امام جصاص رحمہ اللہ (370ھ) کی رائے:

سورہ انفال کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام جصاص رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

﴿إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ وهو أن يصيروا من موضع إلى غيره مكايدين لعدوهم من نحو خروج من مضيق إلى فسحة أو من سعة إلى مضيق أو يكمنوا لعدوهم ونحو ذلك مما لايكون فيه انصراف عن الحرب، أو متحيزين إلى فئة من المسلمين يقاتلونهم معهم. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 64)

ترجمہ: جنگ کا پینترا یا چال بدلنے کی غرض سے محاذ سے بھاگنا جائز ہے۔ اس کی صورت اس طرح ہوگی کہ دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے، مثلاً تنگ جگہ سے کشادہ جگہ کی طرف یا اس کے برعکس کشادہ جگہ سے تنگ جگہ کی طرف منتقل ہو جائے، یا دشمن پر حملہ کرنے کی غرض سے کہیں پر گھات لگا کر بیٹھا رہے۔ جنگ ترک کئے بغیر اس طرح کی تدابیر اختیار کرنے کی مکمل گنجائش ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت کے ساتھ جاکر مل سکتے ہیں جنھیں ساتھ میں لے کر دوبارہ جنگ کے لیے نکل پڑیں۔ (احکام القرآن للجصاص: 64/3)

امام جصاص رحمہ اللہ کی تفسیر سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مقابلہ سے عاجزی کے وقت محاذ سے بھاگنا جائز ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ یہ بھاگنا دوبارہ جنگ کی تیاری کے لیے ہو، نہ کہ کسی اور وجہ سے۔

نیز فرماتے ہیں:

فجائز حينئذ للواحد التحيز إلى فئة من المسلمين فيها نصرة، فأما إن أراد الفرار ليلحق بقوم من المسلمين لا نصرة معهم، فهو من أهل الوعيد المذكور في قوله تعالى... ولذلك قال النبيﷺ «أنا فئة كل مسلم» وقال عمر بن الخطاب لما بلغه أن أبا عبيد بن مسعود استقتل يوم الجيش حتى قتل ولم ينهزم: رحم الله أبا عبيد لو انحاز إلي لكنت له فئة، فلما رجع إليه أصحاب أبي عبيد قال: ''أنا فئة لكم''، ولم يعنفهم. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 63-64)

ترجمہ: مسلمانوں کی کسی ایسی جماعت کے پاس پناہ لینا جائز ہے جن سے نصرت ملے گی، اگر ایسی جماعت کے پاس پناہ لینے کے لیے محاذ سے بھاگے جن کے پاس نصرت نہیں ملے گی تو اس صورت میں وہ اللہ کی وعید کے مستحق ہوں گے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «انا فئة كل مسلم» یعنی میں ہر مسلمان کے لیے مددگار ہوں۔ اور اسی وجہ سے تاریخی معرکہ (جنگ عراق) میں حضرت ابو عبید بن مسعود رحمہ اللہ محاذ سے نہ بھاگ کر لڑتے لڑتے بالآخر جب جام شہادت نوش فرمالیا، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ''اللہ رب العزت ابو عبید پر رحم فرمائے! اگر وہ میرے پاس لوٹ آتے تو میں ان کا مددگار بنتا۔''

اس کے بعد جب ابوعبید بن مسعود رحمہ اللہ کا لشکر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا "أنا فئة لكم"، یعنی میں تمھارا مددگار ہوں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی واپسی پر ان پر کوئی سختی نہیں کی۔ (احکام القرآن للجصاص: 3/63-64)

یہاں پر "میں تمھارا مددگار ہوں" اس لیے کہا گیا کہ اگر تم کوئی اور جگہ جاتے جہاں تمھیں نصرت نہ ملتی تو تم آیت مذکورہ کی وعید کے مستحق ٹھہرتے، جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ (490ھ) کی رائے:

والفرار من الزحف من الكبائر على ما قال ﷺ وهذا إذا كان بهم قوة القتال بأن كانت معهم الأسلحة، فأما من لا سلاح له فلا بأس بأن يفر ممن معه السلاح. وكذلك لا بأس بأن يفر ممن يرمي إذا لم يكن معه آلة الرمي. ألا ترى أن له أن يفر من باب الحصن، ومن الموضع الذي يرمى فيه بالمنجنيق لعجزه عن المقام في ذلك الموضع؟. -شرح السير الكبير (2/ 88-89)

ترجمہ: میدان جنگ سے بھاگنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ (اس کے بعد انھوں نے اس سلسلے میں چند احادیث کو بہ طور دلیل پیش کیا ہے، پھر فرمایا کہ) البتہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ان کے پاس اسلحہ ہو اور وہ جنگ جاری رکھنے پر قادر ہوں اور جن کے پاس اسلحہ نہیں ہے ان کے لیے مسلح دشمن کے مقابلے سے بھاگنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، اسی طرح جن کے پاس دور مار ہتھیار نہیں ہے ان کے لیے دور مار ہتھیار سے لیس دشمن سے بھاگنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟ کہ قلعے کا پھاٹک سے یا جہاں پر منجنیق (راکٹ یا میزائل) سے گولہ باری ہو رہی ہو وہاں سے بھاگنا جائز ہے؟ کیوں کہ وہاں پر ٹکنا ممکن نہیں ہے۔ شرح السیر الکبیر (2/88-89)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوعبید رحمہ اللہ کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

ففي هذا بيان أنه لا بأس بالانهزام إذا أتى المسلمين من العدو مالا يطيقهم. -شرح السير الكبير (2/ 89)

ترجمہ: اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے اتنی تعداد کفار جنگ میں اتر آئے جن سے مقابلہ کرنے کی قدرت ان میں نہ ہو، تو اس صورت میں محاذ سے پیچھے ہٹنے اور بھاگنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(شرح السیر الکبیر/2/89)

کمزوری کے وقت میدان سے نہ بھاگتے ہوئے لڑائی جاری رکھنا اور شہادت تک ڈٹے رہنا قابل تحسین عمل ہونے کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

ولا بأس بالصبر أيضا، بخالف ما يقوله بعض الناس إنه إلقاء النفس في التهلكة، بل في هذا تحقيق بذل النفس لابتغاء مرضاة الله تعالى، فقد فعله غير واحد من الصحابة، منهم عاصم بن ثابت حمي الدبر، وأثنى عليهم رسول الله ﷺ بذلك، فعرفنا أنه لا بأس به. -شرح السير الكبير (2/ 89)

ترجمہ: اور محاذ سے نہ بھاگنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ بعض اس کے خلاف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔ ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس میں اللہ کی خوشنودی کے لیے جان کی قربانی کو عملاً ثابت کر دینا ہے۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ عظیم

قربانی ثابت ہے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جن کی حفاظت شہد کی مکھیوں کے ذریعے کی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل پر انھیں سراہا ہے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شرح السیر الکبیر (89/2)

علامہ شامی رحمہ اللہ (1252ھ) کی رائے:

الدر المختار میں علامہ حصکفی رحمہ اللہ (1088ھ) فرماتے ہیں:

فإن علم أنه إذا حارب قتل و إن لم يحارب أسر لم يلزمه القتال. —الدر المختار (على صدر رد المحتار): 127\4

ترجمہ: اگر کسی کو یقین ہو کہ اگر وہ حملہ آور ہوگا تو مارا جائے گا اور اگر حملہ آور نہ ہوگا تو پکڑا جائے گا، تو اس صورت میں اس کا حملہ آور ہونا اور قتال کرنا ضروری نہیں ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

مطلب: إذا علم أنه يقتل يجوز له أن يقاتل بشرط أن ينكي فيهم، وإلا فلا...

قوله: ''لم يلزمه القتال'' يشير إلى أنه لو قاتل حتى قتل جاز، لكن ذكر في شرح السير أنه لا بأس أن يحمل الرجل وحده وإن ظن أنه يقتل إذا كان يصنع شيئا بقتل أو بجرح أو بهزم فقد فعل ذلك جماعة من الصحابة بين يدي رسول ﷺ يوم أحد ومدحهم على ذلك، فأما إذا علم أنه لا ينكي فيهم فإنه لا يحل له أن يحمل عليهم، لأنه لا يحصل بحملته شئ من إعزاز الدين. —رد المحتار: 127/4

ترجمہ: مسئلہ: اگر کسی کو یقین ہو جائے کہ قتال کی صورت میں وہ مارا جائے گا تب بھی قتال کرنا جائز ہے، البتہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ (اس قتال اور حملے سے) دشمن کو کچھ نہ کچھ نقصان پہنچنے کی امید ہو، ورنہ جائز نہیں۔

حصکفی رحمہ اللہ کا قول: ''اس کا حملہ آور ہونا اور قتال کرنا ضروری نہیں ہے'' اس سے وہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اگر وہ حملہ آور ہو جائے اور لڑتے لڑتے بالآخر جام شہادت نوش کر جائے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ شرح السیر میں کہا گیا ہے کہ اکیلے شخص کا کفار پر حملہ آور ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگرچہ اس کا غالب گمان ہو کہ اس حملے کے نتیجے میں جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ اس حملے سے وہ کفار کو نقصان پہنچا پائے گا، جیسے دشمن کو قتل کرنا یا زخمی کر سکنا یا پھر انھیں شکست سے دوچار کر سکنا۔ احد کے دن آپ ﷺ کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے ایسا ہی کیا تھا۔ جس پر آپ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی۔ اس کے برعکس اگر اسے یہ یقین ہو کہ وہ کفار کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، تو پھر اس کے لیے ان پر حملہ آور ہونا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس کے اس حملے سے دین کی کوئی سربلندی نہیں ہو رہی ہے۔-رد المحتار:127/4

ہمیں امید ہے کہ فقہائے کرام کی مذکورہ بالا آراء اور اقوال سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ کب اور کس شرط پر محاذ سے بھاگنا جائز ہے، اسی طرح یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ موت کو یقینی جانتے ہوئے بھی حملہ آور ہونا اور شہید ہو جانا، خودکشی نہیں بلکہ اپنی زندگی کو قربان کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کا اہم ذریعہ اور ایک قابل تحسین عمل ہے۔

## قدرت نہ ہونے کی دوسری صورت

کفار کے مقابلے سے عاجز ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر جنگ میں اترنے سے پہلے ہی تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا معلوم ہو جائے کہ اگر ہم ان کے خلاف جنگ میں اتر آئے، تو کامیاب نہیں ہو پائیں گے اور ان کی طاقت کے سامنے ٹک بھی نہیں پائیں گے۔

ہمارے ملک جیسے دیگر ممالک میں بھی جہاں مجاہدین اور جہاد سے محبت رکھنے والوں کی طاقت طاغوت کے مقابلے میں نہ ہونے کی برابر ہے، وہاں اس طرح کا سوال ہر ایک کے سامنے ہوتا ہے۔ جب بعض لوگوں کو جہاد کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ صرف اس لیے قبول نہیں کرتے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مجاہدین انھیں اسی وقت میدان میں اتر کر شہید ہونے کی دعوت دے رہے ہیں، اور بعض داعی حضرات بھی اس بات کو واضح طور پر سمجھا نہیں پاتے، ان میں سے بعض تو ڈائرکٹ جہاد ہی کی دعوت دینے لگ جاتے ہیں...اور جنھیں دعوت دی جارہی ہے انھیں اچھی طرح پتا ہے کہ اس وقت ہم دشمن سے مقابلہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، جس کی وجہ سے ان کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ مجاہدین ان کو اسی وقت میدان میں اتر کر شہید ہونے کی دعوت دے رہے ہیں، اس وجہ سے وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ بعض داعی حضرات کی باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ اسی وقت مسلح ہو کر میدان میں اتر جانا ہے، دوسری طرف بعض جہاد سے محبت رکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ چوں کہ اس وقت کفار سے مقابلہ کرنے کی طاقت ہم میں نہیں ہے، اس لیے ہم پر جہاد ہی فرض نہیں ہے۔ اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ جہاد تو فرض ہے، البتہ طاقت نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کی ادائیگی فرض نہیں۔

در حقیقت یہ دونوں تصور ہی غلط ہیں۔ چاہے قوت ہو یا نہ ہو، اسی وقت میدان میں اتر جانے کا تصور جس طرح صحیح نہیں ہے، اسی طرح ''قدرت نہیں ہے اس وجہ سے جہاد ہی فرض نہیں'' یہ بھی تصور درست نہیں، بلکہ ایسی حالت میں شریعت کا حکم ہے اعداد (جہاد کی تیاری) میں لگ جانا، جہاد کے لیے طاقت بھر تیاری کرنا۔ اعداد و تیاری جب اس مرحلے تک پہنچ جائے کہ ایسا محسوس ہونے لگے کہ اگر اب ہم جنگ میں اتر آئے تو کامیاب ہوں گے، تو اس وقت مسلح کارروائی شروع کریں۔

### فائدہ-۱: قافلہ بند ہونا واجب ہے:

جہاد کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ جہاد کو قافلہ بند اور جماعت میں شرکت کرکے منظم طریقے سے کیا جائے، انفرادی طور پر یا جماعت سے دور رہ کر جو کارروائی کی جائے گی اس سے مکمل کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی، اس لیے فریضۂ جہاد کو انجام دینے کے لیے کسی حق پرست جہادی جماعت یا تنظیم میں شامل ہونا واجب ہے، اگر حق پرست جہادی تنظیم مل جانے کے باوجود کوئی تنظیم میں شامل نہ ہو تو وہ شخص گنہگار ہوگا۔ انفرادی طور پر چاہے جتنی بھی تگ و دو کی جائے اس سے جہاد کی مکمل ذمے داری ادا نہیں ہوگی، اس لیے تنظیم میں شامل ہو کر تنظیم کی ہدایات کے مطابق اعداد اور دیگر امور کے مراحل کو طے کرنا چاہیے، البتہ اگر کسی کو حق پرست جہادی تنظیم نہ ملے تو یہ اور بات ہے، لیکن مسلسل تنظیم کی تلاش میں لگا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر جہاں تک ممکن ہو جہاد کی تیاری کرتا رہے۔

''قافلہ بند ہونا واجب ہے'' یہ کوئی بے بنیاد یا گھڑی ہوئی بات نہیں ہے، شرعی دلیل سے ثابت شدہ مسلم بات ہے، البتہ چوں کہ یہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے اس لیے ہم اس کی تفصیلی بحث میں نہیں جائیں گے، فقط شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

انھوں نے تحریر فرمایا کہ:

يجب أن يعرف أن ولاية أمر الناس من أعظم واجبات الدين بل لاقيام للدين ولا للدنيا إلا بها، فإن بنى آدم لا تتم مصلحتهم إلا بالاجتماع لحاجة بعضهم إلى بعض، ولا بد لهم عند الاجتماع من رأس حتى قال النبى ﷺ «إذا خرج ثلاثة في سفر فليؤمروا أحدهم» رواه أبوداود من حديث أبى سعيد وأبى هريرة.

وروى الإمام أحمد في المسند عن عبد لله بن عمرو أن النبي ﷺ قال «لا يحل لثلاثة يكونون بفلاة من الأرض إلا أمروا عليهم أحدهم.» فأوجب تأمير الواحد في الاجتماع القليل العارض في السفر تنبيها بذلك على سائر أنواع الاجتماع. ولأن الله تعالى أوجب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر. ولا يتم ذلك إلا بقوة وإمارة. وكذلك سائر ما أوجبه من الجهاد والعدل وإقامة الحج والجمع والأعياد ونصر المظلوم وإقامة الحدود لا تتم إلا بالقوة والإمارة. -مجموع الفتاوى لابن تيمية (28/ 390)

ترجمہ: واضح ہو کہ! عوام کی قیادت سنبھالنا دین کے اہم واجبات میں سے ایک ہے، صرف یہ ہی نہیں، بلکہ سیادت اور اقتدار کے بغیر دینی یا دنیاوی کوئی بھی امر ٹھیک سے نہیں چل سکتا، کیوں کہ اجتماعیت اور آپسی اتحاد کے بغیر بنی آدم کی مصلحتوں کا مکمل ہونا ناممکن ہے، اس لیے کہ انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور اجتماعیت کے لیے ان کی ذمے داری سنبھالنے والے کسی قائد کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ:

«إذا خرج ثلاثة في سفر فليؤمروا أحدهم»

ترجمہ: اگر تین آدمی سفر کر رہے ہوں، تو ان میں سے کسی ایک کو امیر بنا لیا جائے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لا يحل لثلاثة يكونون بفلاة من الأرض إلا أمروا عليهم أحدهم.»

ترجمہ: کسی ریگستان میں تین آدمیوں کا قیام کرنا جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا لیں۔

حالتِ سفر کی کسی چھوٹی سی جماعت کے لیے بھی امیر بنانے کا حکم دیا گیا ہے یہ سمجھانے کے لیے کہ ہر طرح کی جماعت کے لیے امیر بنانا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ بھی اللہ رب العزت نے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کو فرض قرار دیا ہے اور یہ بغیر اقتدار اور اثر و رسوخ کے مکمل طور پر انجام پا نہیں سکتے۔ اسی طرح جہاد، عدل و انصاف کا قیام، حج، جمعہ اور عیدین کا نظم و نسق، مظلومین کی مدد کرنا، حدود اللہ کو قائم کرنا وغیرہ سمیت اللہ رب العزت کے نازل کردہ دیگر فرائض و احکامات کا بغیر اقتدار اور اثر و رسوخ کے مکمل طور پر نافذ کرنا ممکن نہیں ہے۔ - مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ (28/ 390)

### فائدہ۔ ۲: انفرادی کارروائی بھی جائز ہے:

اگر ڈھونڈنے کے باوجود کسی کو تنظیم نہ ملے، اور اس کی حالت یہ ہے کہ شہادت کی پیاس بھڑک رہی ہے، تو ایسے شخص کے لیے انفرادی طور پر مسلح کارروائی کرنا بھی جائز ہے، البتہ اس کارروائی سے فائدہ حاصل ہوگا یا نہیں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے قول میں گزر چکا۔

مگر حق پرست جماعت یا تنظیم مل جانے کے بعد مزید انفرادی طور پر یا اپنی رائے کے مطابق کارروائی کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ تنظیم کی ہدایات کے مطابق جہادی امور کو انجام دینا ضروری ہوگا، کیوں کہ:

**① تنظیم کی اطاعت و اتباع واجب ہے، اطاعت مقبولیتِ جہاد کی شرائط میں سے ہے۔**

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الغزو غزوان فأما من ابتغى وجه الله و أطاع الإمام و أنفق الكريمة و ياسر الشريك و اجتنب الفساد فإن نومه و نبهه أجر كله و أما من غزا فخرا ورياء وسمعة و عصى الإمام وأفسد في الأرض فإنه لن يرجع بكفاف.

«الغزو غزوان: فأما من ابتغى وجه الله، وأطاع الإمام، وأنفق الكريمة، وياسر الشريك، واجتنب الفساد، فإن نومه ونبهه أجر كله. وأما من غزا فخرا ورياء وسمعة، وعصى الإمام، وأفسد في الأرض، فإنه لم يرجع بالكفاف». -سنن أبي داود ت الأرنؤوط: 2515

ترجمہ: جنگ دو طرح کی ہوتی ہے، جو شخص اللہ رب العزت کی خوشنودی کے لیے جنگ کرے، امام کی اطاعت کرے، اپنی محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اپنے ہم سفر ساتھیوں سے نرمی کا برتاؤ کرے اور فتنہ وفساد سے دور رہے تو اس کا سونا اس کا جاگنا سب کچھ عبادت میں شمار ہوگا، اور جو نام و نمود، عزت وشہرت اور ریاکاری کے لیے جنگ کرے، امام کی نافرمانی کرے، زمین میں فساد پھیلائے، تو وہ اپنا اصلی سرمایہ لے کر بھی لوٹ نہیں پائے گا۔- سنن أبي داود. ت الأرنؤوط: 2515

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا إسلام إلا بجماعة و لا جماعة إلا بإمارة ولا إمارة إلا بطاعة. -جامع بيان العلم وفضله (1/ 264)، رقم الأثر: 326

ترجمہ: بغیر جماعت کے اسلام مکمل نہیں اور بغیر امارت کے جماعت کامل نہیں اور بغیر اطاعت کے امارت کا کوئی فائدہ نہیں۔- جامع بیان العلم وفضله (1/ 264)، رقم الأثر: 326

② ممکن ہے کہ شخصی رائے کے ذریعے کارروائی کرنے کی وجہ سے (مجموعی طور پر) جہاد کے فائدے کے بجائے نقصان ہو۔

### فائدہ۔۳: مسلمانوں کی طاقت کا کفار کے برابر یا اس سے زیادہ ہونا شرط نہیں ہے:

ماقبل میں بتایا گیا کہ جب اعداد اس مرحلے تک پہنچ جائے کہ محسوس ہونے لگے کہ اگر ہم جنگ شروع کریں، تو کامیاب ہو سکتے ہیں، اس وقت مسلح کارروائی شروع کی جائے۔

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ مسلح کارروائی اور جدوجہد شروع کرنے کے لیے مسلمانوں کی مادی طاقت اور وسائل کفار کے برابر یا اس سے زیادہ ہونے چاہئیں، کفار کے ساتھ مسلمانوں کی جتنی بھی جنگیں ہوئی ہیں، مادی اعتبار سے ان میں مسلمانوں کی طاقت کفار کی برابر یا اس سے زیادہ نہیں تھی، اللہ رب العزت نے بھی جنگ روا ہونے کے لیے ہماری طاقت کفار کے برابر یا اس سے زیادہ ہونے کو شرط قرار نہیں دیا ہے۔ مسلمانوں کی فتح وظفر مادی قوت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اللہ رب العزت کی مدد واعانت پر ہے۔

اللہ رب العزت نے ہمیں اپنی طاقت بھر قدرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ [الأنفال۔٦٠]

اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو [الأنفال۔٦٠]

اگر ہم اپنی استطاعت کے مطابق قوت حاصل کر کے اللہ پر توکل اور شریعت کی راہنمائی میں صبر واستقلال کے ساتھ جنگ جاری رکھیں، تو اللہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں فتح یاب اور کامیاب کریں گے، ہو سکتا ہے وقتی طور پر کبھی شکست کا سامنا کرنا بھی پڑے لیکن پھر بھی آخر کار ہم ہی کامیاب ہوں گے:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.﴾ [آل عمران-۱۳۹]

اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو غالب تم ہی رہوگے اگر تم پورے مومن رہے۔[آل عمران-۱۳۹]

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.﴾ [آل عمران-۲۰۰]

اے ایمان والو خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لیے مستعد رہو اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہوں۔[آل عمران-۲۰۰]

﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ [آل عمران-۱۲۰]

اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں۔[آل عمران-۱۲۰]

چناں چہ کفار سے مسلمانوں کی جتنی بھی جنگیں ہوئیں اور اس وقت بھی جو جنگیں ہو رہی ہیں، ان سے حاصل شدہ تجربات کی روشنی میں مادی طور پر جتنے اعداد کے ذریعے کفار سے مقابلے میں کامیابی ممکن ہو، اتنا اعداد حاصل ہو جانے کے بعد مسلح کارروائی شروع کر دینی چاہیے۔

## اعداد کیوں فرض ہے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں بنیادی طور پر اعداد فرض ہونے کی دو وجہ ہیں:

### پہلی وجہ: اللہ کے دشمنوں کو ہر لمحہ دہشت زدہ رکھنا۔

اللہ کے دشمن دو طرح کے ہیں:

① علانیہ دشمن۔

② خفیہ دشمن۔

علانیہ دشمن: جو صریح کافر ہیں یا جو کفار علانیہ طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بر سر پیکار ہیں۔

خفیہ دشمن: منافقین یا ایسے کفار جو ظاہری طور پر مسلمانوں کے بارے میں ہمدرد ہونے کے باوجود خفیہ طور پر مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں برابر کے حصے دار ہیں۔

اس کے علاوہ بھی وہ تمام جن وانس خفیہ دشمنوں میں داخل ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں ہے کہ وہ ہمارے دشمن ہیں، مگر اللہ رب العزت اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ہمارے دشمن ہیں۔

### ہمہ وقت کفار کو کیوں دہشت زدہ رکھیں؟

جو لوگ صریح کافر ہیں ان کو ہر وقت اس لیے دہشت زدہ رکھا جائے گا تاکہ وہ دار الاسلام پر چڑھائی کی ہمت نہ کریں اور نہ ہی دین اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ بنیں یہاں تک کہ بعض دفعہ وہ خود سے ہی مسلمانوں کے خوف سے بغیر جنگ کے ہی جزیہ دے کر ذمی بن کر رہنے پر آمادہ ہو جائیں۔

### ہمیشہ منافقین کو کیوں دہشت زدہ رکھیں؟

اگرچہ منافقین ظاہرًا مسلمان ہونے دعوی کرتے ہیں لیکن موقع ملتے ہی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کسر نہیں چھوڑیں گے، مگر جب وہ مسلمانوں کی بے پناہ طاقت، ہر وقت اعداد و جنگی تیاری اور ہر سو اسلحہ کی نمائش دیکھیں گے، تو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی فکر کو خیر باد کہہ دیں گے۔

مذکورہ دونوں قسم کے دشمنوں کو ہمیشہ دہشت زدہ رکھنے کے لیے اللہ رب العزت نے ہمیں اعداد کا حکم دیا ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾[الأنفال۔٦٠]

اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (رعب) جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔[الأنفال۔٦٠]

### دوسری وجہ: ثانیاً اعداد کا حکم فریضۂ جہاد کو انجام دینے کے لیے دیا گیا ہے

کیوں کہ جس طرح بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی، اسی طرح بغیر اعداد کے جہاد نہیں ہوتا۔

شہید امت شیخ عبد اللہ عزام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وأما الإعداد، وهو الحلقة الثانية من حلقات الجهاد فهو ضرورة من الضرورات، وهو يعتبر كالوضوء بالنسبة للصلوة، كما أنه لاصلوة بلا وضوء كذلك لاجهاد بلا إعداد. –مقدمة في الهجرة والاعداد (ص: 64)

ترجمہ: اور اعداد جہاد کا دوسرا مرحلہ ہے۔ اعداد جہاد کی اہم ضروریات میں سے ہے، نماز کے لیے وضو کا جو مقام ہے، جہاد کے لیے اعداد کا بھی وہی مقام ہے، جس طرح وضو کے بغیر نماز ممکن نہیں اسی طرح اعداد کے بغیر جہاد بھی ممکن نہیں۔ – مقدمة في الهجرة والاعداد (ص:64)

چوں کہ بغیر اعداد کے جہاد ممکن نہیں، اس لیے اعداد جہاد کا موقوف علیہ اور اساس ہے اور جب کوئی حکم فرض ہوتا ہے، تو اس کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے۔ ایک فقہی قاعدہ ہے: ”ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب“. یعنی جس چیز کے بغیر فرض کی ادائیگی ممکن نہ ہو، وہ چیز بھی فرض ہوتی ہے۔

چناں چہ جہاد جس طرح فرض ہے، اعداد بھی اسی طرح فرض ہے۔

**فائدہ: فرضیت اعداد کی دو علتیں یکساں نہیں بلکہ الگ الگ ہیں:**

کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ فرضیتِ اعداد کی دو الگ الگ علتیں نہیں ہیں بلکہ دونوں ایک ہی ہیں...اور وہ ہے جہاد۔ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔اعداد فرض ہونے کی دونوں علتیں الگ الگ ہیں، دونوں ایک ہی نہیں ہیں۔اعداد فرض ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اعداد جہاد کا موقوف علیہ ہے اور دوسری وجہ ہے کافروں کو ہر وقت دہشت زدہ رکھنا، یہ دونوں علتیں الگ الگ ہیں۔

عام حالت میں جہاد ہمیشہ فرض نہیں رہتا بلکہ سال میں دو ایک مرتبہ فرض ہے، سال میں دو ایک مرتبہ کافروں کے ملک میں داخل ہو کر حملہ کرنے سے جہاد کی ذمے داری ادا ہو جائے گی، البتہ مسلمانوں پر اپنی شان و شوکت اور اثر ورسوخ کے ذریعے کفار کو ہمیشہ دہشت زدہ رکھنا مستقل ایک فریضہ ہے، اس فریضے کا مقصد جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ کفار دارالاسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہ دکھا سکیں، اشاعتِ اسلام میں کوئی رکاوٹ نہ بنیں اور بعض دفعہ مسلمانوں کے خوف سے بغیر جنگ کے ہی جزیہ دے کر ذمی بن کر رہنے پر آمادہ ہو جائیں۔

اسی طرح منافقین بھی مسلمانوں کی بھرپور طاقت، ہمہ وقت اعداد و جنگ کی تیاریاں اور ہر سو اسلحوں کی نمائش دیکھ کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔

چناں چہ جہاد کے لیے اعداد ایک مستقل فرض ہے اور کفار کو ہر وقت دہشت زدہ رکھنے کے لیے اعداد مستقل ایک اور فریضہ ہے۔آگے اس کے متعلق ائمۂ کرام کے اقوال پیش کیے جائیں گے۔ان شاءاللہ اس سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔

## ائمۂ کرام و علمائے اسلام کے اقوال- اللہ کے دشمنوں کو دہشت زدہ رکھنے کے لیے اعداد

### امام رازی رحمہ اللہ کی رائے:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾[سورۃالأنفال۔٦٠]

اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (رعب) جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔[سورۃالأنفال۔٦٠]

کی تشریح میں امام رازی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ثم إنه تعالى ذكر ما لأجله أمر بإعداد هذه الأشياء. فقال: ﴿ترهبون به عدو الله وعدوكم﴾ وذلك أن الكفار إذا علموا كون المسلمين متأهبين للجهاد ومستعدين له مستكملين لجميع الأسلحة والآلات خافوهم، وذلك الخوف يفيد أمورا كثيرة: أولها: أنهم لا يقصدون دخول دارالإسلام. وثانيها: أنه إذا اشتد خوفهم فربما التزموا من عند أنفسهم جزية. وثالثها: أنه ربما صار ذلك داعيا الإيمان. ورابعها: أنهم لا يعينون سائر الكفار. وخامسها: أن يصير ذلك سببا لمزيد الزينة في دارالإسلام. ثم قال تعالى: ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾

والمراد أن تكثير آلات الجهاد وأدواتها كما يرهب الأعداء الذين لا نعلم كونهم أعداء، كذلك يرهب الأعداء الذين لا نعلم أنهم أعداء، ثم فيه وجوه: ألاول: وهو الأصح أنهم هم المنافقون، والمعنى: أن تكثير أسباب الغزو كما يوجب رهبة الكفار فكذلك يوجب رهبة المنافقين.

فإن قيل: المنافقون لا يخافون القتال فكيف يوجب ما ذكرتموه الإرهاب؟ قلنا: هذا الإرهاب من وجهين: الأول: أنهم إذا شاهدوا قوة المسلمين وكثرة آلاتهم وأدواتهم انقطع عنهم طمعهم من أن يصيروا مغلوبين، وذلك يحملهم على أن يتركوا الكفر في قلوبهم وبواطنهم ويصيروا مخلصين في الإيمان، والثاني: أن المنافق من عادته أن يتربص ظهور الآفات ويحتال في إلقاء الإفساد والتفريق فيما بين المسلمين، فإذا شاهد كون المسلمين في غاية القوة خافهم وترك هذه الأفعال المذمومة. -تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير (15/ 499-500)

یہاں پر علامہ موصوف رحمہ اللہ نے ظاہری اور پوشیدہ دونوں طرح کے دشمنوں کو دہشت زدہ رکھنے کے حوالے سے بحث کی ہے۔

ظاہری دشمن کو دہشت زدہ رکھنے کے حوالے سے علامہ فرماتے ہیں:

ثم إنه تعالى ذكر ما لأجله أمر بإعداد هذه الأشياء. فقال: ﴿ترهبون به عدو الله وعدوكم﴾ وذلك أن الكفار إذا علموا كون المسلمين متأهبين للجهاد ومستعدين له مستكملين لجميع الأسلحة والآلات خافوهم، وذلك الخوف يفيد أمورا كثيرة: أولها: أنهم لا يقصدون دخول دارالإسلام. وثانيها: أنه إذا اشتد خوفهم فربما التزموا من عند أنفسهم جزية. وثالثها: أنه ربما صار ذلك داعيا الإيمان. ورابعها: أنهم لا يعينون سائر الكفار. وخامسها: أن يصير ذلك سببا لمزيد الزينة في دارالإسلام. -تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير (15/ 499)

ترجمہ: پھر اللہ رب العزت نے کس مقصد سے ان اشیاء (سامان جہاد) کی تیاری کے لیے حکم دیا ہے، اللہ تعالی فرمارہے ہیں:

﴿ترهبون به عدو الله وعدوكم﴾ یعنی اس کے ذریعہ سے تم (رعب) جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں کیوں کہ جب کفار کو معلوم ہوگا کہ مسلمان جہاد کے لیے تیار ہیں اور اس کے لیے ہر طرح کی تیاری کر رکھی ہے، تو اس وقت وہ مسلمانوں کے خوف سے دہشت زدہ رہیں گے اور اس خوف وہراس کی وجہ سے بہت سے فوائد حاصل ہوں گے، جیسے:

① انھیں دارالاسلام میں لشکر کشی کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔

② یہ خوف وہراس جب حد سے زیادہ ہو جائے گا تو کفار خود سے ہی جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

③ بعض دفعہ یہ ان کے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ بن سکے گا۔

④ وہ ہمارے خلاف دیگر کفار کی مدد سے باز رہیں گے۔

⑤ اعداد دارالاسلام کی شان وشوکت اور دبدبہ کو چار چاند لگائے گا۔ تفسير الرازي = مفاتیح الغیب أو التفسیر الکبیر (15/499-500)

پوشیدہ دشمن کے بارے میں فرماتے ہیں:

ثم قال تعالى: ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾

والمراد أن تكثير آلات الجهاد وأدواتها كما يرهب الأعداء الذين نعلم كونهم أعداء، كذلك يرهب الأعداء الذين لا نعلم أنهم أعداء، ثم فيه وجوه: الأول: وهو الأصح أنهم هم المنافقون، والمعنى: أن تكثير أسباب الغزو كما يوجب رهبة الكفار فكذلك يوجب رهبة المنافقين.

فإن قيل: المنافقون لا يخافون القتال فكيف يوجب ما ذكرتموه الإرهاب؟ قلنا: هذا الإرهاب من وجهين: الأول: أنهم إذا شاهدوا قوة المسلمين وكثرة آلاتهم وأدواتهم انقطع عنهم طمعهم من أن يصيروا مغلوبين، وذلك يحملهم على أن يتركوا الكفر في قلوبهم وبواطنهم ويصيروا مخلصين في الإيمان، والثاني: أن المنافق من عادته أن يتربص ظهور الآفات ويحتال في إلقاء الإفساد والتفريق فيما بين المسلمين، فإذا شاهد كون المسلمين في غاية القوة خافهم وترك هذه الأفعال المذمومة. -تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير (15/ 499-500)

ترجمہ: پھر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ یعنی اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ جہاد کے ساز و سامان اور جنگی اسلحات کی زیادتی سے جن کے بارے میں ہمیں پتا ہے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں، وہ جس طرح دہشت زدہ رہیں گے، اسی طرح جن کے بارے میں ہمیں پتا نہیں ہے کہ ہمارے دشمن ہیں، وہ بھی دہشت زدہ رہیں گے۔

ہمارے جن دشمنوں کو ہم خود نہیں جانتے، وہ دشمن کون ہیں؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، ان میں سب سے پہلا قول یہ ہے، اور یہی اصح قول ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ اس اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جنگ کے ساز و سامان اور اسلحہ جات کی زیادتی جس طرح دیگر کفار کو دہشت زدہ رکھے گی اسی طرح منافقین کو بھی دہشت زدہ رکھی گی۔

اگر کوئی سوال کرے کہ منافقین کو تو جنگ کا ڈر ہی نہیں، (کیوں کہ ظاہری حیثیت سے وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے کوئی مسلمان ان کے خلاف جنگ نہیں کرے گا) تو پھر ان کو کس طرح دہشت زدہ رکھا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ منافقین کو دو طرح سے دہشت زدہ رکھا جائے گا:

① منافقین کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ مسلمان شکست و ہزیمت سے دوچار ہوں، جب وہ مسلمانوں کی شان و شوکت اور جنگی اسلحات کی زیادتی دیکھیں گے تو ان کی یہ خواہش ختم ہو جائے گی۔ اس سے وہ اپنے دل میں چھپے کفر سے تائب ہو کر خالص مومن بننے کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔

② منافقین، ہمیشہ مسلمانوں پر کوئی نہ کوئی آفت و مصیبت نازل ہونے کے منتظر رہتے ہیں، تاکہ اس سے وہ فائدہ اٹھا کر مسلمانوں میں فتنہ و فساد برپا کر سکیں اور ان میں پھوٹ پیدا کر سکیں، جب وہ مسلمانوں کو بے پناہ طاقت کا مالک اور ان کی شان و شوکت کو دیکھیں گے تو اس وقت ان کے ڈر سے دہشت زدہ ہو کر ان گھناؤنی حرکت سے باز آجائیں گے۔ تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير (15/499-500)

## شہید اسلام سید قطب رحمہ اللہ (1966م) کی رائے:

يجب على المعسكر الإسلامى إعداد العدة دائما واستكمال القوة بأقصى الحدود الممكنة؛ لتكون القوة المهتدية هي القوة العليا في الأرض؛ التي ترهبها جميع القوى المبطلة؛ والتي تتسامع بها هذه القوى في أرجاء الأرض، فتهاب أولاً أن تهاجم دارالإسلام؛ وتستسلم كذلك لسلطان الله فلا تمنع داعية إلى الإسلام في أرضها من الدعوة ولاتصد أحداً من أهلها عن الاستجابة، ولا تدعي حق الحاكمية وتعبيد الناس حتى يكون الدين كله لله.

-في ظلال القرآن لسيد قطب (3/ 425، بترقيم الشاملة آليا)

ترجمہ: اسلامی افواج پر واجب ہے کہ وہ ہمیشہ جنگی ساز و سامان اور آلات حرب کی تیاری میں مصروف رہیں اور اپنی استطاعت کے مطابق زیادہ سے زیادہ جنگی طاقت اور صلاحیتیں حاصل کریں، تاکہ رشد و ہدایت کی قوت دنیا کی سب سے عظیم ترین قوت بن کر ابھر آئے، جس قوت سے دنیا کی تمام تر باطل قوتیں دہشت زدہ رہیں، تمام باطل قوتیں اس کی قوت کے بارے میں دنیا بھر میں چرچا کرنے لگیں، جس کی وجہ سے اولاً تو وہ دار الاسلام پر چڑھائی کی ہمت نہیں کریں گے، اسی طرح اللہ کی حاکمیت اور اقتدار کو ماننے پر مجبور ہو جائیں گے، اسلام کے کسی داعی کو وہ اپنے ملک میں دعوت سے نہیں روکیں گے اور اپنے باشندوں کو بھی دعوت قبول کرنے سے منع نہیں کریں گے، انسانوں کو غلام بنانے اور حاکمیت کے حق کا بھی دعوی نہیں کریں گے، جس کے نتیجے میں دین و اطاعت فقط اللہ رب العزت کے لیے ہی خاص ہو گی۔ فی ظلال القرآن لسید قطب (425/3، بترقیم الشاملۃ آلیا)

## علامہ سعدی رحمہ اللہ (1376ھ) کی رائے:

﴿وَأَعِدُّوا﴾ كل ما تقدرون عليه ... التي بها يتقدم المسلمون ويندفع عنهم به شر أعدائهم ... ومن ذلك: الاستعداد بالمراكب المحتاج إليها عند القتال، ولهذا قال تعالى ﴿وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ وهذه العلة موجودة فيها في ذلك الزمان، وهي إرهاب الأعداء، والحكم يدور مع علته.

فإذا كان شيء موجود أكثر إرهابا منها، كالسيارات البرية والهوائية، المعدة للقتال التي تكون النكاية فيها أشد، كانت مأمورا بالاستعداد بها، والسعي لتحصيلها، حتى إنها إذا لم توجد إلا بتعلم الصناعة، وجب ذلك، لأن ما لا يتم الواجب إلا به، فهو واجب. -تفسير السعدي = تيسير الكريم الرحمن (ص: 325)

ترجمہ: اپنی استطاعت کے مطابق ہر طرح کی تیاری حاصل کرو، تاکہ اہل اسلام میدان جنگ میں پیش پیش رہیں اور دشمنوں کے شرور سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ قتال کے لیے ضروری جنگی سواریاں بھی اس حکم میں شامل ہیں، اسی لیے اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ یعنی پلے ہوئے گھوڑوں سے تیاری لو، تاکہ تم اللہ اور اپنے دشمنوں کو دہشت زدہ رکھ سکو۔

اور یہ علت یعنی ارہاب یا دہشت زدہ رکھنے کی صلاحیت اور خاصیت اس زمانے میں گھوڑے میں تھی......اور حکم، علت کے مطابق ہوتا ہے، چناں چہ اگر موجودہ دور میں کسی اور چیز میں ارہاب یعنی دہشت زدہ رکھنے کی خاصیت گھوڑے سے زیادہ ہو، تو اس کا حصول اور تیاری کا حکم بھی ہم پر ہے، جیسے زمینی یا فضائی سواریاں جن کو خاص جنگ کے لیے بنایا گیا ہو، جس سے تباہ کن اور خوفناک حملہ کیا جا سکتا ہو، حتی کہ اگر فن صناعت اور ٹیکنالوجی سیکھے بغیر ارہاب یعنی دہشت زدہ رکھنا ممکن نہ ہو، تو اس وقت اسے سیکھنا بھی واجب ہے، کیوں کہ "ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب" یعنی جس کے بغیر فرض کی ادائیگی ممکن نہ ہو، وہ بھی فرض ہو جاتا ہے۔ -تفسیر السعدی = تیسیر الکریم الرحمن (ص: 325)

اللہ کے دشمنوں کو دہشت زدہ رکھنے کے لیے اعداد کا فرض ہونا قرآن مجید کی مذکورہ آیت کریمہ سے بالکل واضح اور اجاگر ہے۔ علمائے اسلام کی آراء اور اقوال بھی اس سلسلے میں بالکل دو ٹوک ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لیے ان چند باتوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ حق کے متلاشیوں کے لیے ان چند باتوں میں ہی کافی عبرت موجود ہے۔

## کفار سے جہاد کی تیاری کے لیے اعداد حاصل کرنا

### امام جصاص رحمہ اللہ (370ھ) کا قول:

اللہ رب العزت کا ارشاد:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾[الأنفال۔۶۰]

اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (رعب) جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔[الأنفال۔۶۰]

کی تفسیر میں امام جصاص رحمہ اللہ (370ھ) تحریر کرتے ہیں:

أمر الله تعالى المؤمنين في هذه الآية بإعداد السلاح والكراع قبل وقت القتال إرهابا للعدو والتقدم في ارتباط الخيل استعداداً لقتال المشركين. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 88)

ترجمہ: اس آیت کریمہ کے اندر اللہ رب العزت نے اپنے دشمنوں کو دہشت زدہ رکھنے اور کفار کے خلاف جنگ کی تیاری کے لیے اہل ایمان کو جنگ شروع کرنے سے پہلے ہی اسلحات، اور گھوڑوں سے تیاری کی غرض سے گھوڑ سوار دستے کو تیاری میں سبقت لے جانے کا حکم دیا ہے۔- أحكام القرآن للجصاص ط العلمية:(88/3)

اعداد کے حوالے سے چند دلائل کو بیان کرنے کے بعد آگے چل کر تحریر کرتے ہیں:

جميع ما يقوي على العدو فهو مأمور باستعداده. وقال الله تعالى: ﴿ولو أرادوا الخروج لأعدوا له عدة﴾ فذمهم على ترك الاستعداد والتقدم قبل لقاء العدو. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 89)

ترجمہ: ان تمام اشیاء کا جو دشمنوں کے خلاف قوت فراہم کریں، تیاری کے لیے حکم دیا گیا ہے۔ نیز اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ یعنی اگر وہ لوگ (غزوہ میں) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے۔

دشمن سے مقابلہ شروع کرنے سے پہلے تیاری نہ لینے اور اس میں سبقت و مہارت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان کی مذمت فرمائی ہے۔- أحكام القرآن للجصاص ط العلمية:(89/3)

جب جہاد کا وقت آتا تھا تو منافقین گوناگوں اعذار پیش کر کے جہاد میں جانے سے گریز کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ہم تو جہاد میں جانا چاہتے ہیں مگر مختلف اعذار کی وجہ سے ہم نکل نہیں پا رہے ہیں۔ ان کے دعوے کو جھوٹا قرار دیتے ہوئے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ اگر وہ لوگ (غزوہ میں) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے۔[توبة:۴۶]

یعنی ان پیچھے رہنا کسی عذر کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ دراصل بات یہ ہے کہ وہ جہاد میں جانا ہی نہیں چاہتے، اگر واقعی وہ جہاد میں جانا چاہتے تو اس کے لیے پہلے سے ہی تیاری کرتے، پہلے سے تیاری نہ کرنا ہی ان کے اپنے دعوے میں جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔

امام جصاص رحمہ اللہ (370ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

مطلب: في وجوب الاستعداد للجهاد. قوله تعالى: ﴿ولو أرادوا الخروج لأعدوا له عدة﴾ العدة ما يعده الإنسان ويهيئه لما يفعله في المستقبل... وهذا يدل على وجوب الاستعداد للجهاد قبل وقت وقوعه، وهو كقوله: ﴿وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل.﴾ -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 154)

ترجمہ: مسئلہ، جہاد کے لیے اعداد حاصل کرنا فرض ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿ولو أرادوا الخروج لأعدوا له عدة﴾ یعنی اگر وہ لوگ (غزوہ میں) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے۔

"العدۃ" ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جسے انسان مستقبل کے لیے تیار کر کے رکھتا ہے۔ یہ آیت دلیل ہے کہ جہاد کے شروع کرنے سے پہلے ہی اعداد حاصل کرنا اور تیاری لینا فرض ہے۔ یہ آیت ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ [سورۃ الأنفال۔۶۰]

(مسلمانو!) اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو۔ [سورۃ الأنفال۔۶۰] - أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (154/3)

## فائدہ: جو لوگ کہتے ہیں کہ جب امام مہدی آئیں گے تب ان کے ہمراہ جنگ کریں گے وہ جھوٹے ہیں:

اللہ رب العزت نے جنگ شروع کرنے سے پہلے ہی جنگ کے لیے سامان تیار رکھنے کو فرض قرار دیا ہے، منافقین کو وقت پر تیاری نہ کرنے کی وجہ سے اللہ رب العزت نے انھیں جھوٹا قرار دیا ہے، اس سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ جو لوگ جہاد فرض ہونے سے پہلے جہاد کی تیاری کرنا تو کجا، جہاد فرض عین ہو جانے کے بعد بھی کسی قسم کی تیاری نہیں کر رہے ہیں، اور یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ امام مہدی کی آمد کے بعد وہی سب سے پہلے ان کے ہمراہ جہاد کریں گے، درج بالا آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس طرح کے لوگ سراسر جھوٹے ہیں۔ جہاد کے لیے تیاری نہ کرنا ہی ان کے جھوٹا ہونے کا ثبوت ہے، اگرچہ وہ لوگ اپنے آپ کو صادق گردانتے ہوں۔ منافقین کو جس وجہ سے جھوٹا قرار دیا گیا تھا ان کو بھی اسی وجہ سے جھوٹا قرار دیا جائے گا۔ مذکورہ آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے یہ بات بالکل اجاگر ہو گئی ہے۔

## امام زیلعی رحمہ اللہ کا قول:

حنفی مذہب کے مایہ ناز امام، علامہ زیلعی رحمہ اللہ (743ھ) تحریر کرتے ہیں:

وفي الجامع الصغير: الجهاد واجب إلا أن المسلمين في سعة حتى يحتاج إليهم. فقوله "في سعة" إشارة إلى أن مباشرة القتال لا تجب في كل وقت بل الاستعداد له كاف، وقوله: "حتى يحتاج إليهم" إشارة إلى أن

مباشرة القتال فرض على الكل عند الحاجة إليهم وهو النفير العام. لأن المقصود حينئذ لايحصل إلا بإقامة الكل فيفترض عليهم مباشرته. -تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبي (3/ 242)

ترجمہ: جامع صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''الجهاد واجب إلا أن المسلمين في سعة حتى يحتاج إليهم''یعنی جہاد فرض ہے، البتہ جب (تمام مسلمانوں کو جنگ میں شرکت کرنے کی) ضرورت نہ ہو، تو (اس وقت) تمام مسلمانوں کے لیے جہاد میں شرکت نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے قول: ''في سعة'' (شرکت نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ بذات خود جنگ میں شرکت کرنا ہر حالت میں فرض نہیں ہے، بلکہ صرف تیاری لیے رکھنا ہی کافی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کا قول: ''حتى يحتاج إليهم'' (جب تک ضرورت نہ ہو) سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ضرورت ہو تب سبھی کے اوپر بذات خود جنگ کرنا فرض ہے۔ اور ضرورت اس وقت ہے جب کہ ''نفیر عام'' کی صورت پیدا ہو جائے، کیوں کہ ایسے میں تمام لوگوں کے جنگ میں شرکت نہ کرنے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا، چناں چہ ایسی صورت میں تمام مسلمانوں پر بذات خود جنگ میں شرکت کرنا فرض ہے۔- تبیین الحقائق شرح کنز الد قائق وحاشیۃ الشلبی (3/ 242)

امام زیلعی رحمہ اللہ کے قول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب جہاد فرض عین نہ ہو، تو اس وقت سب کے لیے جہاد میں شرکت کرنا فرض نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کی جتنی تعداد سے فرض کفایہ ادا ہو جائے اتنی تعداد کا جانا ہی کافی ہو گا، البتہ جہاد کی تیاری مکمل کر کے رکھنا ہر حالت میں فرض ہے۔ اسی طرح جب کفار دار الاسلام پر حملہ کر دیں اور ان کو روکنے کے لیے تمام مسلمانوں کا نکلنا ضروری ہو جائے، تو اس وقت بھی تمام مسلمانوں پر جنگ کے لیے نکلنا فرض ہے، جیسا کہ آج کل ہے۔

جب تک کفار اور مرتدین سے مسلمانوں کی سرزمینوں کی بازیابی نہ ہو جائے اور ان میں اسلامی حکومت قائم نہ ہو جائے، تب تک یہ فریضہ (تمام مسلمانوں کے ذمے) برابر باقی رہے گا۔

## اگر جہاد کی قدرت نہ ہو تو اس وقت اعداد فرض ہے:

کفار کے لیے اللہ رب العزت کا قانون یہ ہے کہ اگر دنیا میں رہنا ہے تو یا تو اسلام قبول کر کے مسلمان بن جانا ہے یا پھر اسلامی حکومت کے ماتحت جزیہ دے کر ذمی بن کر رہنا ہے۔ اگر اسلام بھی قبول نہ کریں اور جزیہ بھی نہ دیں، تو پھر ان کے خلاف جنگ کی جائے گی یہاں تک کہ وہ مسلمان بن جائیں یا جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.﴾(التوبة:5)

سو جب اشہر حرم گزر جائیں تو (اس وقت) ان مشرکین کو جہاں پاؤ مارو اور پکڑو اور باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں پر ان کی تاک میں بیٹھو[3] پھر اگر (کفر سے) توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔(التوبۃ:5)

نیز اشاد فرماتے ہیں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ.﴾(التوبة:29)

اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بنکر جزیہ دینا منظور کریں۔(التوبۃ:29)

امام جصاص رحمہ اللہ (370ھ) تحریر کرتے ہیں:

فتضمنت الآيتان وجوب القتال للكفار حتى يسلموا أو يؤدوا الجزية. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 521)

ترجمہ: یہ دو آیتیں بتا رہی ہیں کہ کفار کے خلاف جنگ جاری رکھنا فرض ہے، یہاں تک کہ وہ یا تو اسلام قبول کرلیں یا جزیہ دینے پر رضامند ہو جائیں۔- أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 521)

مسلم کی روایت میں ہے:

عن سليمان بن بريدة عن ابيه، قال: كان رسول اللهﷺ إذا أمر أميرا على جيش أو سرية... قال: «اغزوا باسم الله، في سبيل الله، قاتلوا من كفر بالله... وإذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم إلى ثلاث خصال(أو خلال)، فأيتهن ما أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم. ثم ادعهم إلى الإسلام، فان أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم... فإن هم أبوا فسلهم الجزية، فإن هم أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم، فإن هم أبوا فاستعن بالله وقاتلهم.» -صحيح مسلم: 4619، كتاب الجهاد والسير، باب: تأمير الإمام الأمراء على البعوث ووصيته إياهم بآداب الغزو وغيرها.

ترجمہ: حضرت سلیمان بن بریدہ رحمہ اللہ سے مروی ہے، وہ اپنے والد ماجد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی کو کوئی قافلہ یا سریہ کا امیر مقرر کرتے تو ان سے فرماتے کہ اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں ان کے خلاف جنگ کرنا جو اللہ کے بارے میں کفر اختیار کرتے ہیں۔ جب تم اپنے دشمن مشرکین سے مقابلے کے لیے نکلو، تو انھیں تین باتوں کی دعوت دو۔ اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی وہ راضی ہو جائیں، تو تم اسے قبول کرلو اور ان کے خلاف جنگ کرنے سے باز رہو۔ اول، ان کو مسلمان ہونے کی دعوت دو، اگر اس پر وہ راضی ہو جائیں، تو ان سے یہ چیز قبول کرلو اور ان کے خلاف جنگ کرنے سے باز رہو۔ اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو جزیہ دینے کے لیے کہو، اگر وہ راضی ہو جائیں تو ان سے جزیہ قبول کرو اور جنگ سے باز رہو۔ اور اگر اس پر بھی وہ لوگ راضی نہ ہوں تو پھر اللہ سے مدد مانگتے ہوئے ان کے خلاف جنگ میں اتر جاؤ!

---

[3] یعنی لڑائی میں جو ہوتا ہے سب کی اجازت ہے۔ بیان القرآن

- صحیح مسلم:4619، کتاب الجہاد والسیر، باب: تأمیر الإمام الأمراء علی البعوث ووصیتہ إیاھم بآداب الغزو وغیرھا.

معلوم ہوا کفار کو حالتِ کفر میں چھوڑ دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یا تو اسلام قبول کریں، یا پھر جزیہ دے کر ذمی بن کر رہیں، اللہ کا قانون مان کر ہی مسلمانوں کے ماتحت انہیں رہنا ہے، اپنی طاقت کے بل بوتے اور مستقل اقتدار و ملک میں جینے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے۔

ان کی طاقت کو ملیامیٹ کر کے یا تو اسلام قبول کرنے یا پھر جزیہ دینے پر مجبور کرنے کے لیے اللہ تعالی نے اپنے محبوب بندوں کو ان دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ اللہ کی زمین میں اللہ کا دین ہی غالب اور فاتح رہے اور کفر کی جملہ طاقتیں اور شان و شوکت خاک میں مل جائے۔

اللہ رب العزت اپنے محبوب بندوں کو حکم دے رہے ہیں:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾(الأنفال:39)

اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جاوے۔(الأنفال:39)

جب تک قدرت ہو تب تک ان کے خلاف جنگ جاری رکھنی ہے۔ جنگ کی قدرت رہتے ہوئے اگر کفار ان دو راستوں کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ اختیار کرنا چاہیں، تو انھیں اس کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔ اگر کفار ذمی بن کر مسلمانوں کے ماتحت اللہ کے آئین کے سایے میں رہنے پر آمادہ نہ ہوں بلکہ مسلمانوں سے صلح کر کے وہ اپنے ملک میں اپنے آئین کے مطابق رہنا چاہیں تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اس طرح کی صلح جائز نہیں ہے۔ اگر وہ اس صلح کے بدلے مسلمانوں کے سامنے ڈھیر سارے مال و دولت کی پیشکش کریں تب بھی اس طرح کی صلح جائز نہیں ہوگی، بلکہ ان کے خلاف جنگ جاری رکھی جائے گی، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر جزیہ دینے پر رضامند ہو جائیں۔

جنگ کی قدرت رہتے ہوئے اس طرح کی صلح کرنے سے اللہ رب العزت نے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ﴾[سورۃ محمد:35]

سو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ، اور تم ہی غالب رہو گے [سورۃ محمد:35]

امام جصاص رحمہ اللہ (370ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فيه الدلالة على امتناع جواز طلب الصلح من المشركين. وهو بيان لما أكد فرضه من قتال مشركي العرب حتى يسلموا، وقتال أهل الكتاب ومشركي العجم حتى يسلموا أو يعطوا الجزية. والصلح على غير إعطاء الجزية خارج عن مقتضى الآيات الموجبة لما وصفنا. فأكد النهي عن الصلح بالنص عليه في هذه الآية. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 522)

ترجمہ: یہ آیت بتا رہی ہے کہ مشرکین سے صلح طلب کرنا ممنوع ہے۔ یہاں پر اس فریضے کا تذکرہ کیا ہے جسے بہت تاکید سے فرض کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرکینِ عرب سے تب تک جنگ جاری رکھنا جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں اور اھل کتاب اور عجم کے مشرکین سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنا جب تک وہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک پر راضی نہ ہو جائیں، یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر جزیہ ادا کریں۔ یہ آیت یہی حکم فرض کر رہی ہے جو میں نے کہا ہے۔ جزیہ کے علاوہ دوسری کسی چیز پر صلح کرنا مذکورہ تمام آیاتوں کی منشا کے خلاف ہے۔ لہذا اللہ رب العزت نے اس آیت میں صراحتاً اور تاکید کے ساتھ صلح کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔- أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (522/3)

### فائدہ: مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا

حنفی مذہب کے مطابق مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تب تو ٹھیک ہے ورنہ انھیں قتل کر دیا جائے گا، جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿تقاتلونهم أو يسلمون﴾ یعنی مسلمان نہ ہونے تک ان کے خلاف برابر جنگ جاری رہے گی۔ (سورۃ فتح:16)

اور عجمی کفار کو اختیار ہے کہ اگر چاہیں تو اسلام قبول کر لیں ورنہ جزیہ دے کر ذمی بن کر رہیں۔

علامہ ابن الھمام رحمہ اللہ (861ھ) مبسوط سے نقل کرتے ہیں:

طلب ملك منهم الذمة على أن يترك أن يحكم في أهل مملكته ما شاء من قتل وظلم لا يصلح في الإسلام: لا يجاب إلى ذلك؛ لأن التقرير على الظلم مع قدرة المنع منه حرام، ولأن الذمي من يلتزم أحكام الإسلام فيما يرجع إلى المعاملات، فشرط خلافه باطل. -فتح القدير للكمال ابن الهمام (5/ 461)

ترجمہ: اگر کافروں کا کوئی بادشاہ اس شرط پر ذمی بننا چاہے کہ وہ اپنے ملک کی رعایا کو جتنا چاہے قتل کرے، جتنا چاہے ظلم و زیادتی کرے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، تو اس کی اس شرط کو قبول نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ ظلم کو روکنے کی طاقت رہتے ہوئے کسی کو ظلم پر بحال رکھنا حرام ہے۔اس کے علاوہ بھی ذمی تو وہ شخص ہے جو کہ تمام معاملات میں لازمی طور پر خود پر اسلامی آئین کے لاگو ہونے کو مان لیتا ہے۔ چناں چہ اس کے منافی جتنی بھی شرطیں ہیں وہ سب باطل سمجھی جائیں گی۔

-فتح القدیر للکمال ابن الھمام (461/5)

اور اگر کفار کے خلاف جنگ کی قدرت نہ ہو، تو اس صورت میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو اعداد کا حکم دیا ہے، کیوں کہ اللہ کی زمین میں اللہ کے دشمنوں کا قانونِ الٰہی کو پامال کرتے ہوئے تکبر کے ساتھ اپنے خود ساختہ من گھڑت قانون کے مطابق زندگی گزارنا کسی بھی حالت میں برداشت نہیں کیا جائے گا، چناں چہ فی الحال اگر قدرت نہ بھی ہو تب بھی قدرت حاصل کر کے جنگ کرنی پڑے گی۔

اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ [سورۃ الأنفال۔٦٠]

اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (رعب) جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔ [سورۃ الأنفال۔٦٠]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) تحریر فرماتے ہیں:

يجب الاستعداد للجهاد بإعداد القوة ورباط الخيل في وقت سقوطه للعجز فإن ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب. -مجموع الفتاوى لابن تيمية (28/ 259)

ترجمہ: قدرت نہ ہونے کی وجہ سے جب فی الحال/ بالفور جہاد فرض نہیں رہتا ہے، تو اس وقت طاقت اور پالتو گھوڑوں کو تیار کرنے کے ذریعے جہاد کی تیاری کرنا فرض ہے، کیوں کہ جس چیز کے بغیر فرض کی ادائیگی ممکن نہ ہو وہ چیز بھی فرض ہو جاتی ہے۔

- مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ(259/28)

مسلمانوں کی اس کمزوری کے عالم میں اگر کفار ہمارے ساتھ وقتی طور پر ایک مقررہ وقت تک جنگ بندی کی صلح کرنا چاہیں، تو اعداد و تیاری کی مصلحت کی بنا پر ایسی صلح کرنا جائز ہے، کمزوری کی حالت میں صلح جائز ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ [الأنفال:61]

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جایئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئیے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ [انفال:61]

امام جصاص رحمہ اللہ (370 ھ) تحریر کرتے ہیں:

فالحال التي أمر فيها بالمسالمة هي حال قلة عدد المسلمين وكثرة عدوهم والحال التي أمر فيها بقتل المشركين وبقتال أهل الكتاب حتى يعطوا الجزية هي حال كثرة المسلمين وقوتهم على عدوهم. وقد قال تعالى ﴿فلا تهنوا وتدعوا إلى السلم وأنتم الأعلون والله معكم﴾ فنهى عن المسالمة عند القوة على قهر العدو وقتلهم .وكذلك قال أصحابنا إذا قدر بعض أهل الثغور على قتال العدو ومقاومتهم لم تجز لهم مسالمتهم ولا يجوز لهم إقرارهم على الكفر إلا بالجزية، وإن ضعفوا عن قتالهم جاز لهم مسالمتهم. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 90)

ترجمہ: صلح کا حکم اس حالت کے لیے دیا گیا ہے، جب کہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمنوں کی تعداد زیادہ ہو، البتہ وہ حالت جس میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو اور کفار پر غالب ہوں تو مشرکین کو قتل کرنے اور اہل کتاب کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ جزیہ دینے پر رضامند نہ ہو جائیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ڰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ڰ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ﴾

سو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ، اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ (سورۃ محمد:35)

چناں چہ دشمن کو ہزیمت دینے اور قتل کرنے کی قدرت رہتے ہوئے ان کے ساتھ صلح کرنے سے منع فرمایا گیا، ہمارے ائمہ کی بھی یہی رائے ہے۔ اگر دار الحرب سے قریب کسی سرحد کے مسلمانوں میں دشمن سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی قدرت ہو تو ان کے لیے ان دشمنوں سے صلح کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح بغیر جزیہ کے انھیں حالت کفر میں بحال رکھنا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اگر ان سے جنگ کرنے کی قدرت نہ ہو، تو اس صورت میں صلح کرنا جائز ہے۔- أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 90)

مسلمانوں کی اس کمزوری کے زمانے میں کفار سے عارضی طور پر جنگ بندی کے معاہدے کی وجہ سے ظاہری طور پر اگرچہ جہاد بند ہے، لیکن حقیقی معنی میں جہاد بند نہیں ہے، کیوں کہ ہم نے تو انھیں ہمیشہ کے لیے جنگ سے خلاصی نہیں دی، بلکہ ہم نے تو اپنے مفاد کی خاطر جنگ کی مزید تیاری کے لیے

عارضی طور پر جہاد بند کر رکھا ہے، اس وجہ سے ہم اللہ رب العزت کے نزدیک تارکین جہاد میں سے شمار نہیں ہوں گے، ترک جہاد کی جو سزائیں اور وعیدیں آئی ہیں وہ سب ہم پر لاگو نہیں ہوں گی، کیوں کہ ہم نے جہاد کو چھوڑا نہیں، بلکہ جہاد کے لیے ہی تیاری کر رہے ہیں۔

ملک العلماء "علماء کے سلطان" کے لقب سے مشہور، نامور فقیہ علامہ علاءالدین کاسانی رحمہ اللہ (587 ھ) نے اس مسئلے کو بہت عمدہ طریقے سے سمجھایا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

وأما شرائط الركن فأنواع: منها أن يكون في حال يكون بالمسلمين ضعف، وبالكفرة قوة؛ لأن القتال فرض، والأمان يتضمن تحريم القتال، فيتناقض. إلا إذا كان في حال ضعف المسلمين وقوة الكفرة؛ لأنه إذ ذاك يكون قتال معنى؛ لوقوعه وسيلة إلى الاستعداد للقتال، فلايؤدي إلى التناقض. -بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (7/ 106)

ترجمہ: کفار کو امان دینے (اور اس کے نتیجے میں ان کے خلاف جنگ بند رکھنے) کے جواز کے لیے چند شرائط ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمان کمزور ہوں اور کفار طاقتور ہوں، کیوں کہ قتال فرض ہے اور امان دینے کا مطلب ہے قتال کو روک دینا، لہذا یہ فرض حکم کے منافی ہے، البتہ جب مسلمان کمزور ہوں اور کفار طاقتور، تب یہ جائز ہے، کیوں کہ اس وقت وہ معنًی قتال ہوگا، اس لیے کہ اس وقت وہ قتال کے لیے اعداد و تیاری کا وسیلہ بن رہا ہے، لہذا اس میں کوئی تعارض نہیں۔

-بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (106/7)

دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں:

إن الأصل في الأمان أن لا يجوز، لأن القتال فرض والأمان يحرم القتال، إلا إذا وقع في حال يكون بالمسلمين ضعف وبالكفرة قوة ؛ لوقوعه وسيلة إلى الاستعداد للقتال في هذه الحالة، فيكون قتالا معنى، إذ الوسيلة إلى الشيء حكمها حكم ذلك الشيء. -بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (7/ 106)

ترجمہ: کفار کو امان دینا اصلاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ قتال فرض ہے اور امان قتال کو روکتا ہے، البتہ جب مسلمان کمزور ہوں اور کفار طاقتور، تو جائز ہے، کیوں کہ اس وقت وہ قتال کے لیے اعداد و تیاری کرنے کا وسیلہ بن رہا ہے، لہذا اس حالت میں وہ معنًی قتال کے مترادف ہے، کیوں کہ کسی شے کا جو حکم ہے اس تک پہنچنے کے لیے جو وسیلہ ہوتا ہے اس کا بھی وہی حکم ہوتا ہے۔

-بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (7/ 106)

## فائدہ: مسلمانوں کے ظاہری اسباب اور ساز و سامان کا کفار کے برابر ہونا ضروری نہیں ہے:

مسلمانوں کا کفار کے مقابلے میں طاقتور اور صاحبِ قدرت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کے مادی اسباب اور ساز و سامان کفار کے برابر یا اس سے زیادہ ہوں، بلکہ مسلمانوں کے ساتھ کفار کی جو جنگیں ہوئی ہیں اور بروقت جو جنگیں ہو رہی ہیں ان سب کی روشنی میں جہاں تک مادی اسباب اور ساز و سامان کے موجود ہونے سے مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ کر پانے کا غالب گمان ہو، بس اس سے ہی مسلمانوں کا کفار کے مقابلے میں طاقتور اور قدرت والا سمجھا جائے گا۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ کا قول پہلے ہی ذکر کیا گیا ہے، یہاں پر پھر یاد دہانی کے لیے اعادہ کر رہے ہیں۔ علامہ کا قول:

الغزاة إذا جاءهم جمع من المشركين ما لاطاقة لهم به، وخافوهم أن يقتلوهم، فلا بأس لهم أن ينحازوا إلى بعض أمصار المسلمين أو إلى بعض جيوشهم، والحكم في هذا الباب لغالب الرأي، وأكبر الظن دون العدد، فإن غلب على ظن الغزاة أنهم يقاومونهم يلزمهم الثبات. -بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (6/ 59، ط. زكريا)

ترجمہ: جب مجاہدین کے خلاف کفار کا کوئی ایسا لشکر جنگ کے لیے اتر آئے، جس سے مقابلہ کرنے کی طاقت مسلمانوں میں نہیں ہے، بلکہ خدشہ ہے کہ مشرکین انھیں قتل کرڈالیں گے، اس وقت مجاہدین کے لیے مسلمانوں کے دوسرے کسی شہر یا دیگر مجاہدین کے پاس پناہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور اس بارے میں اکبرِ رائے یعنی ظنِ غالب سے فیصلہ کیا جائے گا، تعداد کے اعتبار سے نہیں ہوگا، اگر مجاہدین کا غالب گمان اس طرف ہو کہ وہ ان کفار سے مقابلہ کر سکتے ہیں تو ان کے لیے جنگ میں ثابت قدم رہنا ضروری ہے، اگرچہ ان کی تعداد کفار سے کم ہو۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (6/ 59،ط.زکریا)

امید ہے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ قدرت کے رہتے ہوئے کفار کے خلاف جنگ جاری رکھنا فرض ہے، اور جنگ بند کردینا یا جنگ بندی کا معاہدہ کرنا حرام ہے...... اور جب قدرت نہ ہو، تو اس وقت اعداد حاصل کرنا اور تیاری کرنا فرض ہے۔ قدرت نہ ہونے کا بہانہ بنا کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

## اعداد کی شرعی حیثیت کیا ہے، فرض عین یا فرض کفایہ؟

اب تک ہمیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ اعداد فرض ہے۔ کفار کو ہر وقت دہشت زدہ رکھنے اور ان سے جنگ کر کے ان کی طاقت اور شان و شوکت کو ملیامیٹ کرنے کے بعد اللہ کی سرزمین پر اللہ ہی کے کلمے کی سربلندی کے لیے اعداد فرض ہے، البتہ یہ کس طرح کا فرض ہے؟ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اعداد کا حکم جہاد کے حکم کی مانند ہے، جس طرح جہاد کبھی فرض عین اور کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے اسی طرح اعداد کبھی فرض عین تو کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے۔

**امام قرطبی** رحمہ اللہ (671ھ) تحریر کرتے ہیں:

تعلم الفروسية واستعمال الأسلحة فرض كفاية، وقد يتعين. -تفسير القرطبي (8/ 36)

ترجمہ: گھوڑ سواری سیکھنا اور اسلحات کے استعمال سے واقف ہونا فرض کفایہ ہے، البتہ کبھی کبھی یہ فرض عین بھی ہوجاتا ہے۔ **تفسیر القرطبی**(8/ 36)

شیخ سلیمان العلوان (فک اللہ أسرہ وثبتہ) تحریر فرماتے ہیں:

وجعلوه إحدى فروض الكفايات، وقد يكون فرض عين على أهل القدرة من الذكور، شأنه في ذلك شأن الجهاد، منه ما هو فرض عين، ومنه ما هو فرض كفاية. -فتوى في توجيه الأمة في هذه الأحداث ووجوب الإعداد لوقف زحف الصليبيين، ص 11

ترجمہ: ائمہ کرام نے اعداد کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، البتہ کبھی کبھی قدرت رکھنے والے مردوں پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس کا حکم جہاد کے حکم کی طرح ہے، جس طرح جہاد فرض عین اور فرض کفایہ میں منقسم ہے، اسی طرح اعداد بھی ہے۔

-فتوی في توجیہ الأمۃ فی ہذہ الأحداث ووجوب الإعداد لوقف زحف الصلیبیین، ص 11

عام حالت میں جب جہاد فرض عین نہیں رہتا بلکہ فرض کفایہ رہتا ہے اس وقت اعداد فرض کفایہ ہوتا ہے۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی جماعت اس فریضے کو انجام دے دے، تو باقیوں پر سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور اگر کوئی بھی اس فریضے کو انجام نہ دے تو سب کے سب فرض ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے۔

عام حالت میں اعداد فرض کفایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اعداد سے مقصد ہوگا کفار کو دہشت زدہ رکھنا اور ان کے خلاف سال میں دو ایک مرتبہ جنگ کرنا، اگر یہ مقصد مسلمانوں کی کسی جماعت سے حاصل ہو جاتا ہے، تو اس سے اللہ رب العزت کے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ کفار کو دہشت زدہ رکھنا اور ان کے خلاف جنگ کرنا ہی مقصد ہے، جملہ مسلمین کی شرکت مقصد نہیں ہے اور اگر مقصد بعض مسلمانوں سے حاصل ہو جاتا ہے تو باقیوں سے اس کی لزومیت ختم ہو جاتی ہے۔

البتہ نماز وروزہ اس طرح نہیں ہیں، بعض مسلمانوں کی نماز اور روزے سے باقی تمام مسلمانوں سے اس کی لزومیت اور فرضیت ساقط نہیں ہوتی، کیوں کہ نماز وروزے کی ادائیگی ہر ایک سے مقصود ہے، چناں چہ ہر ہر فرد پر نماز وروزہ کی ادائیگی ضروری ہے۔

اور اعداد کے سلسلے میں کفار کو دہشت زدہ رکھنا اور ان کے خلاف جنگ کرنا ہی اصل مقصد ہے۔ اگر بعض مسلمانوں سے کفار کو دہشت زدہ رکھنے اور جنگ کرنے کی ذمے داری پوری ہو جاتی ہے، تو باقیوں سے یہ ذمے داری ساقط ہو جائے گی اور اگر مذکورہ مقصد کسی سے بھی پورا نہ ہو تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔

تفسیر "محاسن التاویل" کے مصنف شیخ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ (1332ھ) تحریر فرماتے ہیں:

تنبيه: دلت هذه الآية على وجوب إعداد القوة الحربية، اتقاء بأس العدو وهجومه. ولما عمل الأمراء بمقتضي هذه الآية، أيام حضارة الإسلام، كان الإسلام عزيزا، عظيما ... وأما اليوم، فقد ترك المسلمون العمل بهذه الآية الكريمة، ومالوا إلى النعيم والترف فأهملوا فرضا من فروض الكفاية، فأصبحت جميع الأمة آثمة بترك هذا الفرض. -تفسير القاسمي = محاسن التأويل (5/ 316)

ترجمہ: تنبیہ، یہ آیت کریمہ ﴿واعدوا لھم......الخ﴾ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دشمن کی جنگیں اور استعمار سے بچنے کے لیے عسکری تربیت اور فوجی قوت حاصل کرنا فرض ہے۔ اسلام کے سنہرے زمانے میں جب مسلمانوں کے امراء اور وزراء حضرات اس آیت کریمہ کے تقاضے پر عمل پیرا تھے، اس وقت اسلام ایک عالمگیر طاقتور اور عظیم الشان مذہب تھا، مگر آج مسلمانوں نے اس آیت کریمہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، عیش وعشرت اور آرام طلبی کی طرف مائل ہو گئے، ایک اہم فرضِ کفایہ کو ترک کر دیا، جس کی وجہ سے پوری امت گنہگار ہو رہی ہے۔ -تفسیر القاسمی محاسن التأویل (5/ 316)

خلافت عثمانیہ کے آخری دنوں میں جب مسلمان جہاد واعداد سے غافل ہو گئے تھے، اس وقت شیخ رحمہ اللہ نے افسوس کرتے ہوئے یہ بات بتائی تھی۔

بہر حال عام حالت میں اعداد فرض کفایہ ہے، البتہ اگر دشمن مسلمانوں کے ملک میں حملہ آور ہوں تو اس وقت سب سے پہلے اس علاقے میں رہنے والے تمام مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو گا، جس کے نتیجے میں اعداد بھی فرضِ عین ہو جائے گا اور اگر وہ دشمنوں کو شکست نہ دے پائیں یا سستی کی وجہ سے جنگ سے باز رہیں، تو اس وقت اس علاقے کے ارد گرد بسنے والے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو گا، جس کے نتیجے میں اعداد بھی فرض عین ہو جائے گا۔ اگر اسی طرح پے درپے تمام دنیا کے مسلمانوں کے جہاد میں شرکت کے بغیر مسلمانوں کے علاقوں سے دشمنوں کو مار بھگانا ممکن نہ ہو، تو اس صورت میں پوری دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو گا اور اس کے نتیجے میں اعداد بھی فرض عین ہو گا، کیوں کہ بغیر اعداد کے جہاد ممکن نہیں اور چوں کہ جہاد فرض عین ہے اس لیے اعداد بھی فرض عین ہو گا۔

## عصر حاضر میں اعداد فرض عین ہے

اس وقت معذورین کے علاوہ باقی تمام مسلمانوں پر اعداد فرض عین ہے، کیوں کہ جب جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، تو اعداد بھی فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے ماقبل میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ چوں کہ موجودہ دور میں جہاد فرض عین ہے اس لیے اعداد بھی فرض عین ہو گا۔

اس وقت تقریباً تمام مسلم ممالک کفار اور مرتدین کے قبضے میں ہیں۔ کہیں پر تو براہ راست خود کفار کا قبضہ ہے (جیسے اندلس، انڈیا، اراکان، مشرقی ترکستان) اور کہیں کفار کی غلامی کرنے اور ان کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نام نہاد مسلمان، مرتد حکمرانوں کا قبضہ ہے (جیسا کہ اکثر مسلم ممالک کا حال ہے) چناں چہ اس وقت تمام مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے۔ یہ فریضہ ہمارے ذمے اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ان کفار اور مرتدین کو ہٹا کر اور اس کفریہ نظام کو مٹا کر اسلامی حکومت اور اللہ رب العزت کا نظام قائم نہ کیا جائے۔

جہاد کے فرض عین ہونے کا فتوی صادر ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ یہ فتوی دینے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اعداد بھی فرض ہے، کیوں کہ جہاد فرض عین ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اب کفار سے مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں اترنا ہے، انھیں مسلمانوں کے علاقوں سے ہٹانے کے لیے جو جو کام کرنا چاہئیں وہ سب ہی کرنے پڑیں گے، جتنے اعداد کی ضرورت ہو اسے مکمل کرنا ہے، جتنے اموال کی ضرورت ہو... خرچ کرنا ہے، جتنی جنگ کی ضرورت ہو... کرنی ہے۔ جس طرح یہ کہنے کے بعد کہ ''نماز فرض ہے'' الگ سے کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ''وضو بھی فرض ہے''، کیوں کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح جہاد فرض عین کہنے کے بعد الگ سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اعداد بھی فرض ہے، کیوں کہ بغیر اعداد کے جہاد نہیں ہوتا۔

اسی لیے عام طور پر علمائے کرام اس طرح فتوی دیتے ہیں کہ عصر حاضر میں جہاد فرض عین ہے۔ اعداد بھی جو ایک فرض عین ہے اسے کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، کیوں کہ یہ بات بالکل واضح اور ظاہر و باہر ہے، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ پچھلے سو سالوں سے خلافت نہ ہونے کی وجہ سے دین کی بنیادی اور بالکل واضح باتیں بھی آج امت کے سامنے غیر واضح اور مشکوک ہو گئی ہیں۔ جہاد فرض عین ہونے کے فتوی کے بعد بھی بہت سے مسلمان کہتے ہیں کہ جہاد فرض ہے یہ تو درست ہے لیکن اعداد فرض نہیں ہے۔ افسوس! اگر اعداد فرض نہ ہو، تو جہاد فرض ہونے کا کیا مطلب رہتا ہے؟ کیا جہاد فرض ہونے کا یہ مطلب ہے کہ گھر کے اندر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟

امت کی اس لاپرواہی اور لاعلمی کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض علمائے دین نے اعداد فرض ہونے کا بھی مستقل فتویٰ صادر کیا ہے۔ ذیل میں ہم معاصرین علماء میں سے چند علماء کے فتاوی بیان کریں گے:

## شیخ ابو قتادہ الفلسطینی حفظہ اللہ کا فتوی:

شیخ ابو قتادہ الفلسطینی حفظہ اللہ سے عسکری اعداد کے متعلق سوال کیا گیا۔ انھوں نے فتوی دیا کہ اس وقت اعداد فرض عین ہے۔ ذیل میں سوال و جواب کے ساتھ اصل فتوی بشمول ترجمہ پیش خدمت ہے:

"السلام عليكم ورحمة الله وبركاته:

سؤال لفضيلة الشيخ أبي قتادة؛

ما حكم الإعداد العسكري للجهاد في سبيل الله، وهل هو فرض عين على المقتدر؟

الجواب:

وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته.

أخي الطيب: اعلم أن الجهاد اليوم فرض عين علي كل مسلم قادر.

فالجهاد ضد اليهود فرض عين والجهاد ضد طواغيت العرب والعجم الذين بدلوا الشريعة واستحلوا الحرمات وناصروا أعداء الله تعالي وقتلوا المسلمين بسبب دينهم كل هؤلاء يجب أن يعلم أن الجهاد ضدهم فرض عين.

و حين يكون الأمر فرض عين تصبح مقدماته ووسائله كذلك، إذ الوسائل لها حكم المقاصد، والإعداد هو وسيلة الجهاد الذي لا يتحقق إلا بها، وبالتالي فالإعداد فرض عين اليوم علي كل مسلم قادر ومن هذا الإعداد هو الإعداد العسكري.

ترجمہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محترم المقام واجب الاحترام شیخ ابو قتادہ حفظہ اللہ سے سوال:

جہاد فی سبیل اللہ کے لیے عسکری اعداد کا کیا حکم ہے، کیا یہ صاحب قدرت لوگوں پر فرض عین ہے؟

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اے برادر عزیز سنو! آج ہر قادر مسلمان پر جہاد فرض عین ہے۔ یہودیوں کے خلاف جہاد فرض عین ہے، جہاد عرب و عجم کے طواغیت کے خلاف فرض عین ہے جنھوں نے اللہ کی شریعت کو بدل دیا، حرام چیزوں کو حلال قرار دیا۔ جو اللہ کے دشمنوں کو مدد فراہم کر رہے ہیں، مسلمانوں کو ان کے دین و اسلام کی وجہ سے قتل کر رہے ہیں، بہت اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ان سبھی کے خلاف جہاد کرنا فرض عین ہے۔

جب کوئی چیز فرض عین ہو جاتی ہے تو اس کے مقدمات و وسائل یعنی موقوف علیہ بھی فرض عین ہو جاتا ہے، کیوں کہ وسائل کا حکم اصل کے حکم کی مانند ہوتا ہے اور اعداد جہاد کا وسیلہ ہے، جس کے بغیر جہاد ممکن نہیں ہے، چناں چہ آج تمام قدرت مند مسلمانوں پر اعداد فرض عین ہے اور عسکری تیاریاں بھی اعداد کا ایک اہم حصہ ہیں۔

## شیخ حازم المدنی کا فتوی:

الإعداد للجهاد فرض عين يأثم تاركه. -هكذا نرى الجهاد ونريده . (ص: 28)

ترجمہ: اعداد فرض عین ہے، اس کو ترک کرنے والا گنہگار ہوگا۔ ہکذا نری الجہاد ونریدہ-(ص:28)

## شیخ سلیمان العلوان (فک اللہ اسرہ) کا فتوی:

شیخ سلیمان العلوان تحریر کرتے ہیں:

وإنه لمن الواجبات المتحتمة على الأمة الإسلامية بكل رجالها من علماء ودعاة ومفكرين ومصلحين وساسة ومثقفين توعية الأمة بمدى مايريد منها أعداؤها، وتبصيرهم بهذه الحرب الصليبية العاملية، وأن يستعدوا لمكافحة هذا الزحف الصليبي، ومواجهته بكل الوسائل والسبل، وردهم بالسيف والسنان، من النـزول في ساحات المعارك القتالية ونسف جماجم أعداء الله الصليبيين، وفضح مخططاتهم وكشف أساليبهم العفنة، وآرائهم التي أسست على الوحشية والهمجية. -فتوى في توجيه الأمة في هذه الأحداث ووجوب الإعداد لوقف زحف الصليبيين (ص: 7)

ترجمہ: امت مسلمہ کے تمام علماء، صلحاء، مبلغین، مفکرین، مجددین، قائدین اور معلمین پر ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ امت کا دشمن امت سے کیا چاہتا ہے اس بارے میں انھیں ہوشیار کرنا، اس عالمی صلیبی جنگ کے بارے میں انھیں بیدار کرنا، اس صلیبی استعمار کے خلاف مقابلہ اور دفاع کے لیے تمام تر وسائل اور ذرائع اختیار کرکے تیاری حاصل کرنا، تلوار اور نیزے کے ذریعے ان کو روکنا تاکہ وہ میدان جنگ میں اتر نہ پائیں۔ اللہ کے دشمن عیسائیوں کی گردن اڑادینا، ان کے منصوبوں اور سازشوں کا پردہ فاش کردینا۔ ان کی تخریب کاری، حیوانیت اور بربریت پر قائم ابلیسی افکار اور نظریات کو واضح کردینا۔ -فتوی في توجیہ الامہ فی ہذہ الاحداث ووجوب الاعداد لوقف زحف الصلیبیین (ص:7)

نیز فرماتے ہیں:

وفرض على الحكومات والجماعات والأفراد ذوي القدرات الاستعداد للجهاد وإعداد العدة من السلاح والأموال ونحو ذلك من الأمور المعينة على صد العدو وهزيمته ورد كيده، وتخليص المسلمين المستضعفين من أعدائهم. -فتوى في توجيه الأمة في هذه الأحداث ووجوب الإعداد لوقف زحف الصليبيين (ص: 8)

ترجمہ: تمام حکومتوں، جماعتوں اور قدرت رکھنے والے لوگوں پر جہاد کے لیے اعداد حاصل کرنا فرض ہے، یعنی اسلحات، اموال وغیرہ جیسی چیزوں سے تیاری حاصل کرنا جو دشمنوں سے دفاع اور ان کو مغلوب کرنے، ان کی سازشوں کو ناپید کرکے کمزور اور بے بس مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کے چنگل سے رہا کرنے میں معاون اور مددگار ثابت ہو۔ -فتوی في توجیہ الامہ فی ہذہ الاحداث ووجوب الاعداد لوقف زحف الصلیبیین (ص:7)

آگے چل کر فرماتے ہیں:

ولا تتأتى حماية بلاد المسلمين وصد عدوان الظالمين إلا بالقتال، ولايتأتى القتال ولا سيما في عالمنا الحاضر في ظل تطور الأسلحة إلا بالإعداد والتدريب، وما لايتم الواجب إلا به فهو واجب. -فتوى في توجيه الأمة في هذه الأحداث ووجوب الإعداد لوقف زحف الصليبيين (ص: 11)

ترجمہ: مسلم ممالک کی حفاظت اور ظالموں کی سرکشی کو روکنے کے لیے قتال کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے، خاص کر ہمارے اس زمانے میں تربیت اور ٹریننگ کے بغیر جدید اسلحات سے قتال کرنا ناممکن ہے.....اور جس چیز کے بغیر فرض کی ادائیگی ممکن نہ ہو وہ چیز بھی فرض ہوتی ہے۔-فتوی في توجیہ الامہ فی ہذہ الاحداث ووجوب الاعداد لوقف زحف الصلیبیین (ص:7)

جو لوگ قدرت کے باوجود ضرورت کے وقت جہاد واعداد سے پیچھے رہتے ہیں، ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

ومن تخلف عن الجهاد والإعداد حين القدرة على ذلك والحاجة إليه ففيه شبه من المنافقين الذين قال الله عنهم: ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ -فتوى في توجيه الأمة في هذه الأحداث ووجوب الإعداد لوقف زحف الصليبيين (ص: 10)

ترجمہ: قدرت کے باوجود ضرورت کے وقت جو جہاد واعداد سے پیچھے رہتے ہیں انکے اندر منافقین کی مشابہت موجود ہے جن کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾[التوبہ:46]

اور اگر وہ لوگ (غزوہ میں) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے لیکن (خیر ہوئی) اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لیے ان کو توفیق نہیں دی اور (بحکم تکوینی) یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو۔[توبہ:46]-فتوی في توجیہ الامہ فی ہذہ الاحداث ووجوب الاعداد لوقف زحف الصلیبیین (ص:10)

## چاروں طرف طاغوت کی کڑی نگرانی ہے اور اس کے ایجنٹز منڈلا رہے ہیں، تو کیسے اعداد حاصل کریں؟

اعداد فرض عین جاننے کے بعد عام طور پر جو سوال کھڑا ہوتا ہے کہ ہمارے چاروں طرف طاغوت کا لشکر اور اس کی کڑی نگرانی ہے، تو ایسے میں ہم کس طرح اعداد کا فریضہ انجام دیں؟

اور جو مجاہدین سے بد ظن ہیں وہ کہتے ہیں کہ جہادیوں کا تماشہ دیکھو! سب کو ہتھیار کے ساتھ میدان میں اتر کر مرنے کا فتوی دے رہے ہیں! لیکن حقیقت سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

یہاں پر دو چیزیں قابل لحاظ ہیں:

① اعداد صرف اسلحات کے استعمال کا نام نہیں ہے۔اسلحات کے استعمال سے واقف کار ہونا اعداد کا صرف ایک جزو ہے، نہ کہ یہی سب کچھ ہے۔ پوری دنیا کے کفار اور مرتدین کے خلاف ایک منظم اور منصوبہ بند طویل جنگ جاری رکھنے کے لیے جن سب چیزوں کی ضرورت ہے، وہ سب ہی اعداد میں شامل ہیں۔

② اعداد فرض ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسی وقت ہتھیار بند ہو کر طاغوت کے خلاف جنگ میں اپنی جان دینی ہے۔ طاغوت کے ہاتھوں مرنے کا نام اعداد نہیں ہے، بلکہ طاغوت کے خلاف جنگ کی تیاریاں لینے کا نام اعداد ہے اور اس بارے میں ہر مسلمان پر اتنا اعداد فرض ہے جہاں تک اس کی قدرت ہو۔اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[البقرۃ۔286]

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو[بقرۃ۔286]

جو جہاں تک اعداد حاصل کر سکتا ہے، اس کے لیے اتنا ہی فرض ہے۔ چاروں طرف طاغوت اور اس کے لشکر جہاد سے محبت رکھنے والوں کو ڈھونڈ رہے ہیں، اگر پکڑ لیا تو کیا کریں گے اسے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان سب کے باوجود اعداد کا فریضہ منسوخ نہیں ہوا ہے، بلکہ اعداد کرنا ہی پڑے گا، ان کے سامنے یا ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اعداد کو جاری رکھنا ہوگا، اگرچہ اس سے فیصلہ کن جنگ شروع ہونے میں بہت وقت لگ جائے گا، لیکن اس کو اسی طرح آگے بڑھانا ہوگا۔

## اعداد کیسے کریں؟

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ معذورین کے علاوہ باقی تمام مسلمانوں کو ہم دو قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں:

① جو حق پرست جہادی تنظیم سے منسلک ہیں۔

② یا جو ابھی تک ایسی تنظیم کو ڈھونے میں کامیاب نہ ہو سکے، یا تنظیم تو مل گئی لیکن مختلف عوارض کی وجہ سے ابھی تک تنظیم سے مکمل طور پر جڑ نہیں پائے۔

جو تنظیم سے جڑے ہوئے ہیں، وہ تنظیم کی ہدایات کے مطابق اعداد حاصل کریں۔

اور جو تنظیم سے جڑ نہیں پائے وہ ابھی سے تنظیم کی تلاش میں لگ جائیں۔ اگر تنظیم مل گئی ہے لیکن عوارض کی وجہ سے مکمل طور پر جڑ نہیں پا رہے ہیں، تو وہ ان عوارضات اور رکاوٹوں کو دور کر کے تنظیم سے مکمل طور پر جڑ جائیں، اس کے بعد تنظیم کی جانب سے جس طرح ہدایت دی جائے اسی طرح اعداد حاصل کریں، البتہ تنظیم میں جڑنے سے پہلے تک اپنی استطاعت کے مطابق اعداد جاری رکھنا چاہیے۔

## تنظیم میں جڑنے سے پہلے تک کس طرح اعداد حاصل کریں؟

اعداد کا میدان بہت ہی وسیع میدان ہے۔ تنظیم میں جڑنے سے پہلے بھی اعداد کے متعلق بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔

اعداد کے ابتدائی مراحل کسی بھی وقت طے کیے جا سکتے ہیں۔ طاغوت کی نگاہ کے سامنے ہی یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے، یا تھوڑی ہوشیاری کے ساتھ طاغوت کو بے وقوف بنا کر یہ سب کام انجام دیے جا سکتے ہیں۔ ذیل میں اس کے متعلق تھوڑی بہت راہنمائی کی جا رہی ہے:

① جہاد کے ضروری مسئلہ و مسائل سیکھنا۔ فتنوں سے متعلق احادیث کا بغور مطالعہ کرنا، ساتھ ساتھ دین کے دیگر امور جو اپنے لیے ضروری ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، نکاح، طلاق وغیرہ کے متعلق ضروری علم حاصل کرنا، تاکہ تنظیم میں داخل ہونے کے بعد ان کے پیچھے زیادہ وقت خرچ کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

② تجوید کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت سیکھنا، تاکہ بعد میں مزید وقت خرچ نہ ہو۔

③ تکالیف برداشت کرنے کی عادت ڈالنا۔

④ دیر تک بھوکے رہنے کی عادت بنانا۔

⑤ دیر تک چلنے کی عادت بنانا۔

⑥ دوڑنے کی عادت بنانا۔

⑦ بھاری چیز اٹھانے کی مشق کرنا۔

⑧ پکوان سیکھنا۔

⑨ گائے، بکری، بطخ، مرغا وغیرہ جانوروں کو ذبح کرنا اور اس کے بعد کے کاموں کو کرنے میں ماہر ہونا۔

⑩ سائیکل، موٹر سائیکل، کار وغیرہ سواری کی ڈرائیونگ سیکھنا۔

⑪ موبائل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ وغیرہ جیسے جدید مواصلاتی آلات جو کہ جہادی کاموں میں استعمال ہوتے ہیں، ان کے استعمال اور کاریگری میں ماہر ہونا۔

⑫ الیکٹرونک میڈیا اور پرنٹ میڈیا دونوں میں مہارت حاصل کرنا۔

بہت سے لوگ ان چیزوں کو خالص دنیاوی امور سمجھ کر ان سے دور رہتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ اس وقت جدید ٹیکنالوجی کے بغیر جہاد ممکن نہیں، بلکہ کہا جاتا ہے کہ میڈیا ہی جہاد کا آدھا یا اس سے زیادہ ہے، چناں چہ جدید ٹیکنالوجی کو دجال کی ایجاد سمجھ کر اس سے دوری اختیار کرنا فرضِ اعداد میں کوتاہی کرنے کا مترادف ہے، البتہ اس باب میں کس کے لیے کون سی چیز ضروری ہے اور کون سی نہیں، اسے ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح ان کی نقصان دہ چیزوں سے بھی بچنا چاہیے۔

⑬ اگر ممکن ہو تو مارشل آرٹ اور کراٹے وغیرہ سیکھنا...... اور اگر ممکن نہ ہو تو جہاں تک بدنی ورزش و کسرت ممکن ہو کرتے رہنا۔

⑭ تیراکی سیکھنا۔

⑮ ٹھنڈے اور گرم ہر طرح کے موسم میں رہنا سیکھنا۔

⑯ ابتدائی طبّی امداد سیکھنا۔

اس کے علاوہ بھی ان دیگر امور میں مہارت حاصل کرنا جو جہادی کاموں میں ضروری ہیں۔ اپنی استطاعت کے مطابق ان چیزوں کو سیکھنا چاہیے۔

یاد رہے کہ! اعداد کے کاموں میں حقیقۃً مہارت حاصل کرنا مقصود ہے۔ ایسا نہ ہو کہ صرف زبانی طور پہ ہم کہتے پھریں کہ مجھے سب آتا ہے، مگر ضرورت کے وقت کچھ نہیں آتا۔ اس طرح کی حرکت اعداد میں کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ اللہ رب العزت نفاق سے ہماری حفاظت فرمائے!

## کیا جہاد حج کی طرح ہے؟

ہم اعداد کے متعلق پہلے شبے اور اس کے ازالے کے آخری مرحلے میں پہنچ چکے ہیں۔ اس شبے کا ایک اہم حصہ یہ تھا کہ جہاد، حج کی طرح ہے۔ جس طرح حج کی قدرت نہ ہو تو حج فرض ہی نہیں ہوتا، اسی طرح جب جہاد کی قدرت نہ ہو تو جہاد بھی فرض نہیں ہوگا۔ جس کو حج کی قدرت نہیں ہے اس پر جس طرح حج کے لیے تیاری نہیں ہے، اسی طرح جب جہاد کی قدرت نہ ہو تو جہاد کے لیے اعداد کرنا فرض نہیں ہے۔

اس شبے کے ازالے میں کچھ گفتگو ہم پہلے کر چکے ہیں، یہاں پر مزید وضاحت کے لیے دو اور باتیں مختصر انداز میں ذکر کریں گے۔ امید ہے کہ اس سے جہاد اور حج کے درمیان فرق واضح ہو جائے گا۔

پہلی بات: حج کو فرض کیا گیا بالفعل (فی الوقت) قدرت ہونے کی شرط پر۔ بالفعل حج کرنے کی جسے قدرت ہے، اس پر حج فرض ہے اور بالفعل جسے حج کرنے کی قدرت نہیں اس پر حج فرض نہیں ہے۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾[آل عمران۔97]

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے (یعنی اس شخص کے ذمہ) جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی [آل عمران۔97]

اس آیت میں ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ سے اللہ رب العزت نے بالکل واضح طور پر فرمادیا ہے کہ حج کے فرض ہونے کے لیے استطاعت اور قدرت شرط ہے، چناں چہ حج کرنے کے لیے جن کے پاس ضروری سامان اور روپے پیسے نہ ہوں ان پر حج فرض نہیں ہے...اور جب حج فرض ہی نہیں، تو پھر اس کے لیے سامان اور روپے پیسے وغیرہ کے انتظام کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ اگر کوئی انتظام کرے، تو یہ اس کی ذاتی کوشش ہے، شریعت نے اس پر حج کے لیے پیسے اکٹھا کرنا فرض نہیں کیا۔

لیکن جہاد کا مسئلہ ایسا نہیں ہے۔ جن آیات اور احادیث میں جہاد کو فرض قرار دیا گیا ہے یا جہاد کی اجازت دی گئی ہے، ان میں کہیں بھی یہ شرط مذکور نہیں ہے کہ اگر بالفعل دشمن کو شکست دینے کی قدرت ہو، تب ہی جہاد فرض ہے وگرنہ نہیں، بلکہ معذورین کے علاوہ باقی تمام مسلمانوں پر جہاد کو فرض کیا گیا ہے۔ (معذور کون ہے؟ اس کے بارے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔) اگر قدرت نہ ہو تو اعداد کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ ہم ماقبل میں بتا چکے ہیں، لیکن حج کے بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر قدرت نہ ہو تو سرے سے حج فرض ہی نہیں کیا گیا اور دوسری بات یہ ہے کہ حج کے لیے پیسے کما کر حج کی قدرت حاصل کرنے کا حکم بھی نہیں دیا گیا۔

چناں چہ جہاد کو حج سے تشبیہ دینا شریعت سے ناواقفیت کی علامت ہے۔

آیئے! اب ہم ذرا ان آیتوں پر غور کرتے ہیں جہاں جہاد کا حکم دیا گیا ہے یا اجازت دی گئی ہے کہ کیا ان میں کہیں بھی جہاد کی فرضیت کے لیے بالفعل دشمن کو شکست دینے کی قدرت ہونے کو شرط قرار دیا گیا ہے یا نہیں؟

سورہ بقرۃ:

﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ.﴾[البقرۃ:190]

اور (بے تکلف) تم لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو (نقض عہد کر کے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود) حد (معاہدہ) سے مت نکلو واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

[البقرۃ:190]

﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ.﴾ [البقرة:191]

اور (جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اس وقت) ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور ان کو نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت قتل سے (بھی) سخت تر ہے اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب (ونواح) میں (کہ حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم (بھی) ان کو مارو ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے۔[البقرة:191]

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [البقرة:192]

پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجاویں (اور اسلام قبول کرلیں) تو اللہ تعالیٰ بخش دینگے اور مہربانی فرمادینگے۔

[البقرة:192]

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ [البقرة:193]

اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ (شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جاوے۔ اور اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجاویں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔[البقرة:193]

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة:244]

(اس قصہ میں غور کرو) اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔[البقرة: 244]

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ [البقرة:251]

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعے دفع کرتے رہا کرتے تو سرزمین (تمام تر) فساد سے پر ہو جاتی ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر۔[البقرة:251]

سورہ نساء:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا﴾ [النساء:71]

اے ایمان والو اپنی تو احتیاط رکھو پھر متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو۔

[النساء:71]

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۗ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [النساء:74]

توہاں اس شخص کو چاہئیے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے بڑے جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کیے ہوئے ہیں[4] اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آجاوے تو ہم اس کو اجر عظیم دینگے۔
[النساء:74]

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ [النساء:75]

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا کررہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے (غیب سے) کسی دوست کو کھڑا کیجئیے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے (غیب سے) کسی حامی کو بھیجئے۔[5] [النساء:75]

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ [النساء:76]

جو لوگ پکے ایمان دار ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو واقع میں شیطانی تدبیر لچر ہوتی ہے۔[6] [النساء:76]

﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾ [النساء:84]

پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئیے آپ کو بجز آپ کے ذاتی فعل کے کوئی حکم نہیں اور مسلمانوں کو ترغیب دیدیجئیے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ کافروں کے زور جنگ کو روک دیں گے اور اللہ تعالیٰ زور جنگ میں زیادہ شدید ہیں اور سخت سزا دیتے ہیں۔[7] [النساء:84]

سورہ مائدہ:

---

4 یعنی اس شخص کو اگر فوز عظیم کا شوق ہے تو اول درست کرے ہاتھ پاوں ہلاوے مشقت جھیلے تیغ وسنان کے سامنے سینہ سپر بنے دیکھو فوز عظیم ہاتھ آتا ہے کہ نہیں۔ بیان القرآن

5 مکہ میں ایسے کمزور مسلمان رہ گئے تھے کہ اپنے ضعف و کم سامانی کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے پھر کافروں نے بھی نہ جانے دیا اور طرح طرح سے ان کو ستاتے تھے چنانچہ احادیث و تفاسیر میں بعضون کے نام بھی آئے ہیں آخر اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور بعضوں کی رہائی کا تو پہلے ہی سامان ہو گیا اور پھر مکہ معظمہ فتح ہو گیا جس سے سب کو امن اور اعزاز حاصل ہو گیا اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان پر حضرت عتاب بن اسید کو عامل و حاکم مقرر فرمایا پس ولی و نصیر کا مصداق خواہ رسول اللہ کو کہا جائے اور یہی اچھا معلوم ہوتا ہے اور یا حضرت عتاب کو کہا جائے کہ انہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں سب کو خوب آرام پہنچایا۔ بیان القرآن۔

6 اوپر جہاد کا وجوب اور اس کے فضائل بیان کر کے اس کی ترغیب تھی آگے دوسرے طور پر اس کی ترغیب ہے یعنی جہاد میں بعض مسلمانوں کے مستعد نہ ہونے پر ان کی ایک لطف آمیز شکایت بھی ہے جس کی بنا یہ ہوئی کہ مکہ میں کفار بہت ستاتے تھے اس وقت بعض اصحاب نے جہاد کی اجازت اصرار سے چاہی مگر اس وقت حکم تھا عفو و صلح کا بعد ہجرت کے جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو طبعا بعض کو دشوار ہوا اس پر شکایت فرمائی گئی اور چونکہ بطور انکار یا اعتراض علی الحکم کے نہ تھا بلکہ محض تمنا تھی اور چندے اس حکم کے نہ آنے کی اس لیے توبیخ نہیں محض لطف آمیز شکایت ہے۔ بیان القرآن)

7 اس پیشن گوئی کا وقوع ظاہر ہے اگر خاص کفار سے قریش مراد ہوں جب بھی اور اگر ساری دنیا کے کفار مراد ہوں جب بھی کیونکہ چند ہی روز میں تمام سلطنتیں مسلمانوں نے فتح کر لیں۔ بیان القرآن

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ [المائدة:54]

اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین میں پھر جاوے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کرے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہو گی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو گی مہربان ہونگے وہ مسلمانوں پر تیز ہونگے کافروں پر جہاد کرتے ہونگے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کرینگے [8] یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں بڑے علم والے ہیں۔ [المائدۃ:54]

سورہ انفال:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جاوے [9] پھر اگر کفر سے باز آجاویں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں۔ [10] [سورۃ الأنفال:39]

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ [الأنفال:40]

اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔ [11] [الأنفال:40]

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ [الأنفال:65]

اے پیغمبر آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئیے۔ [الأنفال:65]

سورہ توبۃ:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [التوبة:5]

---

8 چنانچہ بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے لیکن اللہ نے اپنی اس پیشن گوئی کے موافق مومنین مخلصین کے ہاتھوں عہد صدیقی میں ان کا استیصال فرمادیا اور بعض نے توبہ کر لی تھی بہر حال اسلام کو کوئی ضعف یا ضرر نہیں پہنچا۔ بیان القرآن

9 کسی کے دین کا خالصا اللہ ہی کے لیے ہو جانا موقوف ہے قبول اسلام پر تو حاصل یہ ہوا کہ شرک چھوڑ کر اسلام اختیار کریں خلاصہ یہ کہ اگر اسلام نہ لاویں تو ان سے لڑو جب تک کہ اسلام نہ لاویں کیونکہ کفار عرب سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ بیان القرآن

10 یعنی اگر کفر سے باز آجائیں تو ان کے ظاہری اسلام کو قبول کر و دل کا حال مت ٹٹولو اگر یہ دل سے ایمان نہ لائیں گے تو اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں وہ آپ سمجھ لیں گے تم کو کیا۔ بیان القرآن

11 اوپر آیت وقاتلوھم میں قتال کا حکم تھا چونکہ گاہے قتال میں غنیمت بھی حاصل ہوتی ہے اس لیے آگے اس کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ بیان القرآن

سو جب اشہر حرم گزر جائیں تو (اس وقت) ان مشرکین کو جہاں پاؤ مارو اور پکڑو اور باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں پر ان کی تاک میں بیٹھو[12] پھر اگر (کفر سے) توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔[التوبۃ:5]

﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴾[التوبة:12]

اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن کریں تو تم لوگ اس قصد سے کہ یہ باز آجاویں پیشوایان کفر سے لڑو کیونکہ اس صورت میں ان کی قسمیں (باقی) نہیں رہیں۔[التوبۃ:12]

﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾[التوبة:13]

تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جلاوطن کردینے کی تجویز کی اور انہوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی[13] کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے ہو سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔[التوبۃ:13]

﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴾[التوبة:14]

ان سے لڑو اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ) ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل (وخوار) کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا۔[التوبۃ:14]

﴿وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾[التوبة:15]

اور ان کے قلوب کے غیظ (وغضب) کو دور کرے گا اور جس پر منظور ہوگا اللہ تعالیٰ توجہ (بھی) فرمائے گا[14] اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔[التوبۃ15]

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾[التوبة:16]

---

[12] یعنی لڑائی میں جو ہوتا ہے سب کی اجازت ہے۔ بیان القرآن

[13] یعنی تمہاری طرف سے وفائے عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی انہوں نے بیٹھے بٹھائے خود ایک شوشہ چھوڑا پس ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو۔ بیان القرآن

[14] یعنی مسلمان ہونے کی توفیق دے گا چنانچہ فتح مکہ میں بعض لڑے اور ذلیل ومقتول ہوئے اور بعض مسلمان ہوگئے۔ بیان القرآن

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم (یوں ہی) چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے (ظاہر طور پر) ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (ایسے موقع پر) جہاد کیا اور اللہ اور رسول اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا خاص دوست نہ بنایا ہو۔[15] اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے سب کاموں کی۔[16][التوبۃ:16]

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾[التوبة:29]

اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بنکر جزیہ دینا منظور کریں۔[التوبۃ:29]

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ۭ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾[التوبة:36]

یقیناً شمار مہینوں کا (جو کہ) کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک (معتبر ہیں) بارہ مہینے (قمری) ہیں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کیے تھے (اسی روز سے اور) ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں۔[17] یہی (امر مذکور) دین مستقیم ہے۔[18] سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں (دین کے خلاف کر کے) اپنا نقصان مت کرنا اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سے لڑتے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے۔[19][التوبۃ:36]

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾[التوبة:38]

اے ایمان والوں تم لوگوں کو کیا ہوا کہ تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر قناعت کر لی سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں آخرت کے مقابلہ میں بہت قلیل ہے۔

[التوبۃ:38]

---

15 جس کے ظاہر ہونے کا اچھا ذریعہ ایسے موقع کا جہاد ہے جہاں مقابلہ اپنے اعزہ و اقارب سے ہو پورا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کو چاہتا ہے اور کون برادری کو۔ بیان القرآن

16 اور مشرکین کے شائع مذکور تھے چونکہ ان کو اپنے بعض اعمال پر جیسے مسجد حرام کی خدمت اور حجاج کا پانی پلانا وغیرہ افتخار تھا اس لیے آگے مضمون سابق کی تمیم کے لیے ان کے افتخار کا ان چند آیتوں میں جواب دیتے ہیں اور اسی کے ضمن میں مسلمانوں کے ایک اختلافی مسئلہ کا جس میں اس وقت کلام ہوا تھا کہ ایمان کے بعض افضل اعمال عمارت مسجد حرام ہے یا سقایہ حاج یا جہاد آیت اجعلتم الخ۔ میں جواب دیتے ہیں۔ بیان القرآن

17 یعنی ذیقعدہ۔ ذی الحجہ محرم اور رجب۔ بیان القرآن

18 یعنی ان مہینوں کا بارہ ہونا اور چار کا بالتخصیص اشہر حرم ہونا۔ بیان القرآن

19 مقصود آیت میں اس حساب کا ابطال ہے جس سے احکام شرعیہ میں اختلال یا غلطی ہونے لگے البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے اس لیے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنا لے جس سے قمری حساب ضائع ہو جائے تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے۔ لیکن خلاف سنت سلف ضرور ہے اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے لابد افضل و احسن ہے۔ بیان القرآن

﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [التوبة:39]

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دے گا (یعنی تم کو ہلاک کر دے گا) اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا (اور ان سے اپنا کام لے گا) اور تم اللہ (کے دین) کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ [التوبۃ:39]

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبة:40]

اگر تم لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے سو اللہ تعالیٰ نے آپ (کے قلب) پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات (اور تدبیر) نیچی کر دی (کہ وہ ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ [التوبۃ:40]

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [التوبة:41]

نکل پڑو (خواہ) تھوڑے سامان سے (ہو) اور (خواہ) زیادہ سامان سے (ہو) اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو اور یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو (تو دیر مت کرو)۔ [التوبۃ:41]

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [التوبة:123]

اے ایمان والو ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس (رہتے) ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیئے[20] اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (کی امداد) متقی لوگوں کے ساتھ ہے (پس ان سے ڈریو مت)۔[21] [التوبۃ:123]

سورہ حج:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ [سورة الحج:38]

---

20 یعنی جہاد کے وقت بھی مضبوط رہنا چاہیے اور ویسے بھی غیر زمانہ صلح میں ان سے ڈھیلا پن نہ برتنا چاہیے۔ بیان القرآن

21 اوپر چند آیتوں میں جہاد کی ترغیب تھی اب اس کی ترتیب مع اس کے بعض متعلقات کے مذکور ہے حاصل ترتیب کا ظاہر ہے کہ اول پاس والوں سے نبٹنا چاہیے پھر بقایا میں جو سب سے پاس ہوں وعلی ہذا القیاس۔ اور اس ترتیب کے عکس میں جو مفاسد ہیں ظاہر ہیں چنانچہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو باختیار خود غزوات فرمائے اور صحابہ نے بھی سب میں یہی ترتیب ملحوظ رہی۔ بیان القرآن

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ وغیرہ کو) ایمان والوں سے (عنقریب) ہٹادے گا[22] بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔[23][الحج:38]

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴾[الحج:39]

(اب) لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے[24] اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ انکو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔[الحج:39]

﴿اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴾[الحج:40]

(آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے[25] اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک کا دوسرے (کے ہاتھ) سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانے میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو (اللہ کے دین) کی مدد کرے گا[26] بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے وہ جس کو چاہے غلبہ دے سکتا ہے۔[الحج:40]

﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾[الحج:41]

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو (بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے[27]۔[الحج:41]

سورہ صف:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾

اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے۔

﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ [الصف:11]

---

[22] کہ پھر حج وغیرہ سے روک ہی نہ سکیں گے۔ بیان القرآن

[23] اس لئے انجام کار ان کو مغلوب اور مومنین مخلصین کو غالب کر دے گا۔ بیان القرآن

[24] یہ علت ہے مشروعیہ جہاد کی۔ بیان القرآن

[25] یعنی توحید پر کفار کا یہ تمام تر غیظ وغضب تھا کہ ان کو اس قدر پریشان کیا کہ وطن چھوڑنا پڑا۔ بیان القرآن

[26] یعنی اس کے لڑنے میں خالص نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو۔ بیان القرآن

[27] پس مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھ کر یہ کیونکر کوئی کہہ سکتا ہے کہ انجام بھی ان کا یہی رہے گا، بلکہ ممکن ہے کہ اس کا عکس ہو جاوے چنانچہ ہوا۔ بیان القرآن

(وہ یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ پر اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔[الصف:11]

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾[الصف:12]

(جب ایسا کروگے تو) اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں (بنے) ہونگے یہ بڑی کامیابی ہے۔[الصف:12]

﴿وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[الصف:13]

اور ایک اور بھی ہے کہ تم اسکو پسند کرتے ہو (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتحیابی اور (اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ مومنین کو بشارت دیدیجئے۔[الصف:13]

مذکورہ آیتیں یا دیگر آیتیں واحادیث میں کہیں بھی جہاد کو بالفعل کفار کا مقابلہ کرنے کی قدرت کی شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا، بلکہ معذورین کے علاوہ باقی سب پر ہی جہاد فرض کیا گیا ہے، قدرت نہ ہونے کی صورت میں اعداد کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن حج بالکل اس کے برعکس ہے، لہذا جہاد کو حج سے تشبیہ دے کر اور یہ کہہ کر کہ ''قدرت نہیں ہے'' فرض جہاد ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

## جہاد کی صحیح تشبیہ

جہاد کی صحیح تشبیہ کے لیے شریعت میں بہت سارے احکامات موجود ہیں، جیسے:

① خودکشی حرام، اور خود کو زندہ رکھنا فرض ہے۔ زندہ رہنے کے لیے بقدرت ضرورت خوراک لینا فرض ہے۔ اسی طرح سردی اور گرمی میں خود کو ہلاکت سے بچانے کے لیے بقدر ضرورت لباس کا استعمال بھی فرض ہے۔ اگر بقدر ضرورت خوراک و پوشاک موجود ہو تب تو ٹھیک ہے۔ اور اگر نہ ہو، تو اگر وہ کسبِ معاش کے لائق ہے، تو اس پر محنت کر کے بقدر ضرورت خوراک و پوشاک کا انتظام کرنا فرض ہے۔ اگر کسبِ معاش نہ کرے اور یوں ہی بھوک یا سردی یا گرمی کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو اس کو خودکشی کرنے والا سمجھا جائے گا۔ جس کی سزا جہنم ہے۔

② قرض دار پر قرضہ چکانا فرض ہے۔ اگر قرضہ چکانے کی مقدار مال و دولت ہو تب تو ٹھیک ہے اور اگر بقدر ضرورت مال نہ ہو تو فی الحال جتنی قدرت ہے اتنا قرضہ چکادے اور بقیہ قرضہ چکانے کے لیے کسب معاش میں لگ جائے اور یہ کسب معاش اس کے لیے فرض ہے۔

③ اپنی نابالغ اولاد، بیوی اور محتاج والدین کی کفالت فرض ہے۔ اگر مالدار آدمی ہے، تب تو ٹھیک ہے...... اور اگر مالدار نہ ہو بلکہ محتاج ہو تو اس پر کسب معاش فرض ہے۔

④ اپنے قریبی رشتے داروں میں سے جو کسب معاش کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان کی کفالت بھی فرض ہے۔ اگر محتاج ہوں تو کسب معاش اختیار کرنا ضروری ہے۔

ان تمام مسائل میں انسان کی فی الحال عدم قدرت کی وجہ سے اس پر سے فرض ذمے داری ساقط نہیں ہو گی، کیوں کہ ان فرائض کا تعلق مال و دولت کے رہنے یا نہ رہنے کے ساتھ نہیں ہے، خواہ دولت ہو یا نہ ہو، ہر حالت میں فرض ہیں، اس لیے ان لوگوں پر کسب معاش کو فرض کیا گیا ہے۔

جہاد بھی ٹھیک اسی طرح ہے۔ قدرت کے رہنے یا نہ رہنے کے ساتھ جہاد کے فرض ہونے یا نہ ہونے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جہاد ہر حالت میں فرض ہے۔ اگر بالفعل قدرت نہ ہو تو اعداد کے ذریعے قدرت حاصل کرنا فرض ہے، البتہ حج اس کے برعکس ہے، کیوں کہ حج کے فرض ہونے کے لیے بالفعل قدرت کا ہونا شرط ہے۔ اگر بالفعل قدرت نہ ہو، تو حج فرض نہیں ہوگا۔

مذکورہ مسائل اہل علم کے نزدیک معروف و مشہور ہیں، شریعت کی واضح دلیلوں سے ثابت شدہ ہیں۔ اس موضوع پر مستقل اور مفصل بحث کرنے کا ہمارا ارادہ نہیں ہے، اس لیے دلائل اور حوالہ جات کی طرف نہ جاتے ہوئے فقط کتب فقہ سے چند اقتباسات نقل کر دیتے ہیں:

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ:

(الباب الخامس عشر في الكسب) وهو أنواع: فرض، وهو الكسب بقدر الكفاية لنفسه وعياله وقضاء ديونه ونفقة من يجب عليه نفقته... وكذا إن كان له أبوان معسران يفترض عليه الكسب بقدر كفايتهما كذا في الخلاصة.

-الفتاوى الهندية (5/ 348-349)

ترجمہ: پندرہواں باب کسب معاش کے بیان میں، کسب معاش کا حکم مختلف قسموں پر ہے۔ پہلی قسم: فرض ہے۔ اور وہ ہے اپنے اور اپنے گھر والوں کا نفقہ اور قرضہ چکانا یا دیگر لوگوں کی کفالت جو اس کے ذمے ہے، ان کے نفقے کے لیے کسب معاش اختیار کرنا، اسی طرح اگر کسی کے والدین محتاج ہوں تو ان کی کفالت کے لیے بھی کسب معاش اختیار کرنا فرض ہے۔ "الخلاصۃ" میں اسی طرح مذکور ہے۔- فتاوی الہندیہ (5/:348-349)

ایک دوسرے مقام پر ہے:

(الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل، وما يتصل به) أما الأكل فعلى مراتب: فرض، وهو ما يندفع به الهلاك، فإن ترك الأكل والشرب حتى هلك فقد عصى ... وإن كان المحتاج يقدر على الكسب فعليه أن يكتسب، ولا يحل له أن يسأل. ... إذا كان المحتاج عاجزا عن الكسب ولكنه قادر على أن يخرج ويطوف على الأبواب، فإنه يفرض عليه ذلك حتى إذا لم يفعل ذلك وقد هلك كان آثما عند الله تعالى. -الفتاوى الهندية (5/ 336، 338)

ترجمہ: گیارہواں باب غذا اور اس کے متعلق حلت و حرمت کے بارے میں، غذا کے متعلق حکم مختلف ہے۔ پہلی قسم: فرض ہے۔ اور وہ ہے زندہ رہنے کے بقدر غذا لینا۔ اگر خورد و نوش نہ کرے اور بھوک سے ہلاک ہو جائے، تو گنہگار ہو گا۔ اور اگر کوئی محتاج کسب معاش پر قادر ہو، تو اس پر کسب معاش فرض ہے۔ دوسروں کے سامنے سوال کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور جب کوئی محتاج شخص کسب معاش سے عاجز ہو البتہ وہ لوگوں سے جا کر سوال کرنے پر قادر ہو، تو اس پر یہی فرض ہے۔ اگر لوگوں سے سوال نہ کرے اور یوں ہی ہلاک ہو جائے تو وہ اللہ کے یہاں گنہگار ٹھہرے گا۔- فتاوی ہندیہ 5/336،338)

تنویر الابصار میں ہے:

الأكل فرض مقدار ما يدفع الهلاک عن نفسه. (تنوير الأبصار في ضمن رد المحتار: 6\338)

ترجمہ: یعنی زندہ رہنے کے بقدر خورد و نوش فرض ہے۔

علامہ شامی (1252ھ) اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

وكذا ستر العورة و ما يدفع الحر و البرد. -رد المحتار: 6\338

ترجمہ: اسی طرح ستر ڈھانکنا اور سردی و گرمی سے بچنے کے لیے پوشاک کا استعمال کرنا بھی فرض ہے۔ (فتاوی شامی: ج ۹، ص)

جہاد حج کی طرح نہیں ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتوی:

اللہ رب العزت ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو جزائے عظیم عطا کریں! انھوں نے سات سو سال پہلے ہی فتوی دیا تھا کہ جہاد حج کی طرح نہیں ہے۔

علامہ موصوف تحریر کرتے ہیں:

ومع أنه يجوز تولية غير الأهل للضرورة إذا كان أصلح الموجود فيجب مع ذلك السعي في إصلاح الأحوال حقا يكمل في الناس ما لا بد لهم منه من أمور الولايات والإمارات ونحوها؛ كما يجب على المعسر السعي في وفاء دينه وإن كان في الحال لا يطلب منه إلا ما يقدر عليه وكما يجب الاستعداد للجهاد بإعداد القوة ورباط الخيل في وقت سقوطه للعجز فإن ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب بخلاف الاستطاعة في الحج ونحوها فإنه لا يجب تحصيلها لأن الوجوب هنا لايتم إلا بها. -مجموع الفتاوى لابن تيمية (28/ 259)

ترجمہ میں جانے سے پہلے علامہ کی بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔

علامہ موصوف اس موضوع پر بحث کر رہے تھے کہ اگر حکومتی عہدے کے لیے قابل اور باشرع آدمی نہ ملے تو اس وقت کیا کیا جائے گا؟

علامہ فرمارہے ہیں کہ اس بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ موجودہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ قابل ولائق ہو اسے ذمے داری دی جائے، البتہ لوگوں کی اصلاح کے لیے حتی المقدور جدوجہد جاری رکھنی چاہیے، تاکہ فی الحال جہاں تک ممکن ہو اقتدار کی ذمہ داری کماحقہ ادا ہو اور مستقبل میں بھی ایسے قابل اور باشرع آدمی تیار ہونے لگے جنھیں ملکی ذمے داری سونپی جاسکے۔ بالفعل اگرچہ قابل لوگوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے ضرورت کے تحت نااہلوں کو عہدے دیے جارہے ہیں، لیکن اس پر اکتفا کرکے بیٹھے رہنے سے وہ ذمے داری ادا نہیں ہوگی، حتی الامکان اصلاح کا کام جاری رکھنا ہے۔

اس طرح کی ضرورت اور ناچاری کی حالت کے متعلق علامہ موصوف نے مزید دو اور مثالیں بیان فرمائی ہیں:

① اگر قرض دار قرضہ چکانے سے عاجز ہو، تو فی الحال جہاں تک ممکن ہو قرضہ چکائے اور بقیہ رقم کے لیے کوشش جاری رکھے۔

② جب قدرت نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کرنا ممکن نہ ہو، تو اس وقت اعداد فرض ہے۔ ضرورت کے تحت عارضی طور پر جہاد کو بند رکھنے سے بھی جہاد کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، بلکہ اعداد کرکے جہاد کی تیاری لینی ضروری ہے۔

علامہ فرماتے ہیں کہ البتہ حج اور اس کے مشابہ دیگر مسائل اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان کے فرض ہونے کے لیے بالفعل قدرت کا ہونا شرط ہے۔ اگر قدرت نہ ہو تو فرض نہیں ہیں... اور چوں کہ اس صورت میں فرض ہی نہیں، اس لیے جب قدرت نہ ہو، تو اس کی ادائیگی کے لیے قدرت حاصل کرنا بھی ضروری نہیں ہوگا۔

اب ترجمہ ملاحظہ ہو:

ومع أنه يجوز تولية غير الأهل للضرورة إذا كان أصلح الموجود فيجب مع ذلك السعي في إصلاح الأحوال حقا يكمل في الناس ما لا بد لهم منه من أمور الولايات والإمارات ونحوها؛ كما يجب على المعسر السعي في وفاء دينه وإن كان في الحال لا يطلب منه إلا ما يقدر عليه وكما يجب الاستعداد للجهاد بإعداد القوة ورباط الخيل في وقت سقوطه للعجز فإن ما لايتم الواجب إلا به فهو واجب بخلاف الاستطاعة في الحج ونحوها فإنه لا يجب تحصيلها لأن الوجوب هنا لايتم إلا بها. مجموع الفتاوى لابن تيمية (28/ 259)

ترجمہ: ضرورت کے تحت اگرچہ نااہل کو ذمہ داری دینا جائز ہے، جب کہ حاضرین میں سب سے زیادہ قابل وہی ہو۔ اس کے باوجود لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لیے حتی الامکان جد جہد جاری رکھنی ضروری ہے، تاکہ امارت و اقتدار کے مسائل سمیت دیگر ضروری امور کی صلاحیتیں لوگوں میں مکمل طور پر پیدا ہونے لگیں، جس طرح محتاج قرض دار پر قرضہ چکانے کے لیے محنت کرنی واجب ہے، اگرچہ اس وقت اس سے اس کی طاقت کے باہر سوال نہیں کیا جائے گا۔ اور جس طرح قدرت نہ ہونے کی وجہ سے جب فی الحال جہاد فرض نہیں رہتا ہے، تو اس وقت طاقت اور پالتو گھوڑوں کو تیار کرنے کے ذریعے جہاد کی تیاری لینی فرض ہے، کیوں کہ جس چیز کے بغیر فرض کی ادائیگی ممکن نہ ہو، وہ چیز بھی فرض ہو جاتی ہے۔ البتہ حج اور اس جیسے دیگر احکامات میں قدرت کا مسئلہ اس سے مختلف ہے، ان احکامات میں قدرت حاصل کرنا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ بغیر قدرت کے اس طرح کے احکامات فرض ہی نہیں ہوتے۔- مجموع الفتاوی لابن تیمیہ (28/ 259)

یہاں پر علامہ موصوف نے صرف حج ہی نہیں بلکہ حج کی طرح دیگر عبادات و احکامات کے ساتھ جہاد کا فرق واضح کر دیا ہے کہ جہاد فرض ہونے کے لیے قدرت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ قدرت نہ ہو، تب بھی جہاد فرض رہے گا، البتہ اس وقت حملہ نہ کرے بلکہ زیادہ سے زیادہ اعداد پر دھیان دے۔ اور اس وقت اعداد کا حکم کوئی اختیاری حکم نہیں ہے، بلکہ فرض اور لازمی حکم ہے۔

البتہ حج اور اس کے مشابہ دیگر احکامات اس کے برعکس ہیں۔ ان پر قدرت اگر نہ ہو، تو وہ سرے سے فرض ہی نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے لیے الگ سے قدرت حاصل کرنا ضروری ہے۔

یہ پہلا نکتہ تھا اب دوسرا نکتہ ملاحظہ ہو۔

دوسرا نکتہ:

بہت سارے مقاصد اور اغراض کو سامنے رکھتے ہوئے جہاد کو فرض کیا گیا ہے، جب تک وہ مقاصد پورے نہ ہوں، تب تک جہاد فرض ہی رہے گا۔

جہاد کے مقاصد اور نصب العین:

① اللہ کی سرزمین میں اللہ کے دین کو غالب اور فاتح کرنا، کفری طاقت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا، کفار کو اسلام قبول کرنے یا پھر جزیہ دے کر اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے پر مجبور کرنا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾[الأنفال:39]

اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جاوے۔[الأنفال:39]

نیز فرماتے ہیں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾[التوبة:29]

اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بنکر جزیہ دینا منظور کریں۔[توبۃ:29]

امام جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فتضمنت الآيتان وجوب القتال للكفار حتى يسلموا أو يؤدوا الجزية. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 521)

ترجمہ: یہ دو آیتیں بتارہی ہیں کہ کفار کے خلاف جنگ جاری رکھنا فرض ہے، یہاں تک کہ وہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دینے پر رضامند ہو جائیں۔- أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (3/ 521)

لہذا جب تک کفار کی طاقت ختم نہ ہو جائے اور جملہ کفار یا تو مسلمان بن جائیں یا پھر جزیہ دینے پر رضامند ہو جائیں، تب تک برابر جہاد فرض رہے گا۔

اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنے کے بعد اور یاجوج ماجوج کا اللہ کے غضب سے ہلاک ہو جانے کے بعد جب دنیا میں کوئی ایک کافر بھی نہیں بچے گا، اس وقت جہاد کی مزید کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔

② فرضیت جہاد کی اور ایک وجہ کمزور اور بے بس لوگوں کو کفار کے چنگل سے آزاد کروانا ہے۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ [النساء:75]

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا کررہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے (غیب سے) کسی دوست کو کھڑا کیجئیے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے (غیب سے) کسی حامی کو بھیجئے۔[نساء:75]

لہذا جب تک تمام مسلمان مرد وعورت اور بچے وبوڑھے کفار کے چنگل سے آزاد نہ ہوں تب تک جہاد برابر فرض رہے گا۔

امید ہے کہ ما قبل کی بحث سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جہاد، حج کی طرح نہیں ہے۔

## اعداد کے متعلق دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ

دوسرا شبہ یہ ہے کہ (اعداد کوئی انفرادی ذمے داری نہیں ہے بلکہ ملکی اور اجتماعی ذمے داری ہے۔ اس وقت چوں کہ مسلمانوں کے پاس کوئی ملک نہیں ہے اس لیے عام مسلمانوں پر اعداد فرض نہیں۔ جب مسلمانوں کے پاس ملک ہو گا تب ملک کی طرف سے اعداد کیا جائے گا، اس سے پہلے اعداد فرض نہیں ہے۔)

## دوسرے شبے کا جواب :

امید ہے کہ ما قبل کی بحث کے بعد اس شبے کے ازالے میں زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ جہاد کو فرض ماننے کے بعد اعداد کی فرضیت کو نہ ماننے کی کوئی منطق نہیں ہے،اس کے علاوہ جن آیات اور احادیث میں جہاد واعداد کا حکم دیا گیا ہے،ان میں کہیں بھی مسلمانوں کے پاس ملک ہونے کی شرط کے ساتھ فرض نہیں کیا گیا، بلکہ غیر مشروط اور مطلق طور پر حکم دیا گیا ہے اور معذورین کو اس سے الگ رکھا گیا ہے۔اللہ کے اس حکم میں پوری امت شامل ہے۔''جن کے پاس ملک ہے وہ شامل ہیں اور جن کے پاس نہیں ہے وہ شامل نہیں ہیں''،اس طرح تقسیم کرنا شریعت میں کھلا اختراع اور من گھڑت چیزوں کو داخل کرنے کے مترادف ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ(1270 ھ)فرماتے ہیں:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ﴾ خطاب لكافة المؤمنين لما ان المأمور به من وظائف الكل. -تفسير الألوسي = روح المعاني (5/ 220)

ترجمہ:اللہ تعالی کا قول ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ﴾ یعنی اور تم مقابلہ کے لیے تیاری لو!اس میں تمام مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے، کیوں کہ مامور بہ حکم کی ذمہ داری سب پر عائد ہے۔-تفسیر الالوسی=روح المعانی (5/ 220)

علاوہ ازیں اگر مسلمانوں کے پاس ملک نہ ہو، تب تو اعداد کی ضرورت واہمیت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے، کیوں کہ جب ملک ہو تو اسلامی ملک قائم کرنے کی فرضیت تو ادا ہو جاتی ہے اور جب ملک نہ ہو تب تو اسلامی ملک قائم کرنے کے لیے بھی اعداد ضروری ہو جاتا ہے، جس طرح کفار کے خلاف قتال کے لیے اعداد کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی جن مقاصد اور اغراض کے تحت اللہ رب العزت نے اعداد کا حکم دیا ہے، کیا وہ پورے ہو گئے ہیں؟؟ کیا ہم سال میں دو،ایک مرتبہ دار الکفر میں جا کر اقدامی جہاد کر پا رہے ہیں؟؟ کیا ہم کفار کو اپنی طاقت اور شان شوکت کی وجہ سے ہمہ وقت دہشت زدہ رکھ پا رہے ہیں؟؟اللہ کی سر زمین میں اللہ کا دین غالب ہو گیا ہے؟؟اسلام، مسلمان اور اسلامی ممالک کفار کے ناپاک قبضے سے آزاد ہو گئے ہیں؟؟ کیا تمام کفار سب کے سب مسلمان بن گئے ہیں؟؟ یا جزیہ دینے پر متفق ہو گئے ہیں؟

اگر ابھی تک یہ سب مقاصد حاصل نہیں ہوئے، تو پھر کیسے جہاد واعداد کی ذمے داری ختم ہو گئی؟! کیا ایسی حالت میں جہاد واعداد کے فرض نہ ہونے کے متعلق ائمہ کرام سے کوئی فتوی منقول ہے؟ کیا قرآن وسنت میں کہیں بھی اس طرح کی انوکھی بات موجود ہے؟

اگر قرآن وسنت میں نہیں ہے، ائمہ کرام کے فتاوی میں بھی نہیں ہے، تو اس کے بعد بھی کیا اس طرح کی باتیں بے بنیاد اور خود ساختہ نہیں ہوں گی؟

دراصل ان لوگوں کی بیماری دوسری جگہ ہے، ان کے دل ودماغ پر سوار ہے شیطان کا ایجاد کردہ ایک بے بنیاد عقیدہ...اور وہ ہے ''امام کے بغیر کوئی جہاد نہیں''۔

ہم نے چند بڑے اور نامور علماء کو کہتے ہوئے سنا کہ ''امام کے بغیر جہاد فرض نہیں''۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے چل کر کہا کہ ''امام کے بغیر جہاد کرنا ناجائز ہے''۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ یعنی اور تم خود کو ہلاک مت کرو! [بقرۃ:195] اور اس وقت چوں کہ مسلمانوں کا کوئی امام نہیں ہے، اس لیے اب جہاد میں جانے کا مطلب ہے اپنے آپ کو ہلاک کرنا، لہذا اس وقت جہاد ناجائز ہے۔

ان علماء کے حالات کچھ اس طرح ہیں کہ جب خود جہاد چھوڑ بیٹھے، تو اب اپنے جرم کو چھپانے کے لیے مکر و فریب سے کام لے رہے ہیں اور دوسروں کو بھی خود کی طرح بنانا چاہتے ہیں۔ وہ جن آیتوں کو دلیل کے طور پر جہاد کے خلاف کھڑا کرتے ہیں، ان کا حقیقی مصداق دیکھتے ہی ان کی چالاکی اور جہالت کا پتہ چل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر درج بالا آیت کو ہی ہم لے سکتے ہیں، یہاں پر اللہ رب العزت کیا سمجھانا چاہتے ہیں؟ پوری آیت اس طرح ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [البقرة:195]

اور تم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور (اپنے آپ کو) اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو اور کام اچھی طرح کیا کرو بلا شبہ اللہ تعالی پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔ [بقرۃ:195]

یعنی تم لوگ راہ جہاد میں مال و دولت خرچ کرتے رہو! راہ جہاد میں دولت خرچ کرنے میں بخیلی کرنا گویا خود کو ہلاک کرنا ہے، کیوں کہ اس سے دشمن طاقتور ہو کر تم پر غالب آجائے گا اور تم لوگوں کے دین و دنیا کو تباہ کر دے گا۔ اور مال خرچ کرنے میں بھی احسان کا راستہ اختیار کرو، یعنی بہت عمدہ اور بہتر طریقے سے خرچ کرو، اس میں کوئی کمی و کسر نہ چھوڑو۔ جو اس طرح انفاق اور خرچ کرتے ہیں اللہ رب العزت ان سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض صحابہ یہ گمان کرنے لگے کہ جہاد تو بہت ہوا اب اسلام طاقتور ہے۔ اتنے دن جہادی مصروفیت کی وجہ ہم اپنی کھیتی باڑی کی خبر گیری نہ کر سکے، اب کچھ دنوں کے لیے جہاد سے الگ رہ کر کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کرنی چاہیے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس طرح کا خیال آیا تو اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ کو نازل کرتے ہوئے تنبیہ فرمائی کہ اگر جہاد چھوڑ کر کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے، تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

عن أسلم أبي عمران، قال: غزونا من المدينة، نريد القسطنطينية، وعلى الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد، والروم ملصقو ظهورهم بحائط المدينة، فحمل رجل على العدو، فقال الناس: مه، مه، لا إله إلا الله، يلقي بيديه إلى التهلكة، فقال أبو أيوب: إنما نزلت هذه الآية فينا معشر الأنصار لما نصر الله نبيه -صلى الله عليه وسلم-، وأظهر الإسلام، قلنا: هلم نقيم في أموالنا ونصلحها، فأنزل الله عز وجل: {وأنفقوا في سبيل الله ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة} [البقرة: 195] فالإلقاء بالأيدي إلى التهلكة: أن نقيم في أموالنا ونصلحها وندع الجهاد، قال أبو عمران: فلم يزل أبو أيوب يجاهد في سبيل الله حتى دفن بالقسطنطينية. -سنن أبي داود ت الأرنؤوط (4/ 166)، رقم الحديث: 2512، كتاب الجهاد، باب في قوله تعالى: {ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة} [البقرة: 195]. قال المحققون: إسناده صحيح ... وأخرجه الترمذي (3211)، والنسائي في "الكبرى" (10961) و (10962) ... وقال الترمذي: حسن غريب صحيح. ... وهو عند ابن حبان في "صحيحه" (4711). اهـ

ترجمہ:

اسلم ابو عمران کہتے ہیں کہ ہم مدینہ سے جہاد کے لیے چلے، ہم قسطنطنیہ کا ارادہ کر رہے تھے، اور جماعت (اسلامی لشکر) کے سردار عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے، اور رومی شہر (قسطنطنیہ) کی دیواروں سے اپنی پیٹھ لگائے ہوئے تھے، تو ہم میں سے ایک دشمن پر چڑھ دوڑا تو لوگوں نے کہا: رکو، رکو، اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، یہ تو اپنی جان ہلاکت میں ڈال رہا ہے، ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت تو ہم انصار کی جماعت کے بارے میں اتری، جب اللہ نے اپنے نبی کی مدد کی اور اسلام کو غلبہ عطا کیا تو ہم نے اپنے دلوں میں کہا (اب جہاد کی کیا ضرورت ہے) آؤ اپنے مالوں میں رہیں اور اس کی دیکھ بھال کریں، تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی وأنفقوا في سبيل الله ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة اور تم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور (اپنے آپ کو) اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو۔ (البقرہ: ۱۹۵) اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا یہ ہے کہ ہم اپنے مالوں میں مصروف رہیں، ان کی فکر کریں اور جہاد چھوڑ دیں۔ ابو عمران کہتے ہیں: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔

سنن ابوداؤد کتاب: جهاد کا بیان باب: آیت قرآنی ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکه کا مفهوم حدیث نمبر: 2512 (صحيح )

## ابلیس لعین کی وحی، امام کے بغیر کوئی جہاد نہیں:

اللہ رب العزت فرمارہے ہیں:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ [الأنعام:112]

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کیے کچھ آدمی اور کچھ جن جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترپردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئیے۔ [انعام:112]

﴿وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾ [الأنعام:113]

اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو پسند کر لیں اور تاکہ مرتکب ہو جاویں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔ [انعام:113]

سرکاری مولویوں کے پاس ان ہی شیاطین نے ہی وحی بھیجی ہے کہ "امام کے بغیر کوئی جہاد نہیں"۔

### اس شبے کا جواب:

امام سے کیا مراد ہے؟ جہاد کا امام یا خلیفۃ المسلمین؟

اگر جہاد کا امیر مراد ہے، تو ہم آپ کی بات کی ایک شق سے متفق ہیں۔ جہاد کے لیے امیر مقرر کرنا واجب ہے، یہ ہم بھی مانتے ہیں، قافلہ بند ہونا واجب ہے یہ بھی ہم کہتے ہیں، انفرادی جدوجہد سے کامیابی نہیں ملے گی اس میں ہم بھی متفق ہیں۔ جب جہاد کا امیر نہ ہو، تو کسی کو امیر بنانا واجب ہے۔ اس بارے میں ہم مختصر بحث پہلے کر چکے ہیں۔

البتہ اگر یہ کہا جائے کہ اگر جہاد کا امیر نہ ہو، تو جہاد ہی فرض نہیں۔ تب یہ بات شریعت کے خلاف اور بے بنیاد ثابت ہوگی اور اس سے ہم قطعاً متفق نہیں۔ اگر مسجد میں امام نہ ہو، تو امام بنانا ضروری ہے۔ لیکن امام نہ ہو، تو نماز ہی فرض نہیں، بے بنیاد بات ہے۔

اور اگر امام سے خلیفۃ المسلمین مراد ہو، تو ہمارا سوال یہ ہے کہ "خلیفۃ المسلمین کے بغیر جہاد نہیں ہے" اس سے کیا مراد ہے؟

اگر کہا جائے کہ جہاد تو فرض ہے، البتہ جہاد کرنے کے لیے پہلے کسی کو خلیفۃ المسلمین بنانا ہے، تو ہم آپ کی اس بات کی ایک شق سے متفق ہیں کہ خلیفۃ المسلمین بنانا واجب ہے۔ لیکن خلیفہ بنانے سے پہلے جہاد جائز نہیں، اس بات سے ہم قطعی متفق نہیں، کیوں کہ مسلمانوں میں یا تو خلیفہ بنانے کی قدرت رہے گی یا نہیں۔ اگر قدرت نہ رہی، تو خلیفہ بنائے بغیر جہاد کرنا جائز نہیں، یہ غیر معقول اور خلاف واقع بات ہے۔ اس سے قیامت تک کے لیے جہاد اور نفاذ شریعت کا راستہ بند ہو جائے گا۔ خلافت کا قیام اور خلیفہ بنانے کی راہ بھی بند ہو جائے گی، اس لیے اس طرح کی باتوں کے باطل اور بے بنیاد نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اور اگر قدرت ہو، تو خلیفہ مقرر نہ کرنا مسلمانوں کے لیے گناہ عظیم ہے، لیکن اس گناہ کی وجہ سے جہاد چھوڑ کر دوسرے گناہ کا مرتکب ہونا خلاف عقل اور حماقت ہے، مزید یہ کہ کسی شرعی دلیل میں بھی اس طرح کی بات نہیں بتائی گئی کہ جہاد جائز ہونے کے لیے خلیفہ بنانا شرط ہے۔

مندرجہ بالا شبہات کے تفصیلی جواب میں ہم نہیں جائیں گے بلکہ اختصار کے ساتھ فقط چند باتیں عرض کر رہے ہیں:

① جہاد کی فرضیت میں بہت ساری آیتیں اور احادیث وارد ہوئی ہیں، لیکن کسی بھی آیت یا حدیث میں جہاد فرض یا جائز ہونے کے لیے خلیفہ کی موجودگی شرط قرار نہیں دی گئی، ایسا نہیں بتایا گیا کہ جہاد فقط امام کی ذمہ داری ہے، البتہ امام کی ذمے داریوں میں سے ایک ذمے داری جہاد بھی ہے۔ اگر امام موجود نہ ہو یا موجود تو ہے لیکن جہاد نہ کر رہا ہو، تو اس وقت مسلمانوں کو اپنا فرض خود کو ہی انجام دینا ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ (620ھ) تحریر کرتے ہیں:

فإن عدم الإمام لم يؤخر الجهاد لأن مصلحته تفوت بتأخيره، وإن حصلت غنيمة قسموها على موجب الشرع، قال القاضي وتؤخر قسمة الإماء حتى يقوم إمام احتياطا للفروج. -المغني لابن قدامة (9/ 202)

ترجمہ: امام کی عدم موجودگی کی وجہ سے جہاد کو مؤخر نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ اس تاخیر سے جہاد کی مصلحت فوت ہو جائے گی۔ اگر غنیمت ملے، تو حقداروں میں شریعت کے مطابق تقسیم کر دے البتہ قاضیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باندیوں کی تقسیم کو احتیاطاً امام کی تقرری تک مؤخر کریں۔ -المغنی لابن قدامة (9/ 202)

اور جہاد فرض عین ہو جانے کے بعد اگر امام کسی کو جہاد سے روکتا ہو، تو اس کی بات رد کرتے ہوئے جہاد میں شرکت کرنا فرض ہے، کیوں کہ اللہ رب العزت کے حکم کے سامنے امام کی بات کی کوئی حیثیت نہیں۔ "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"، یعنی خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت جائز نہیں۔

امام سرخسی رحمہ اللہ (490ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وإن نهى الإمام الناس عن الغزو والخروج للقتال فليس ينبغي لهم أن يعصوه إلا أن يكون النفير عاما. لأن طاعة الأمير فيما ليس فيه ارتكاب المعصية واجب، كطاعة السيد على عبده فكما أن هناك بعد نهي المولى لا يخرج إلا إذا كان النفير عاما فكذلك ها هنا. -شرح السير الكبير (4/ 171)

ترجمہ: اگر امام لوگوں کو جہاد و قتال سے منع کریں، تو اس وقت لوگوں کے لیے امام کی بات کو نہ ماننا جائز نہیں، البتہ اگر نفیر عام کی حالت ہو، تو یہ اور بات ہے۔ جہاں امام کی اطاعت سے اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی وہاں پر امام کی اطاعت فرض ہے، جس طرح غلام کے لیے اپنے آقا کی فرمانبرداری فرض ہے، نفیر عام نہ ہونے کی صورت میں جس طرح آقا کے روکنے پر جہاد میں جانا جائز نہیں اسی طرح امام کے معاملہ میں بھی یہی مسئلہ ہے۔-شرح السیر الکبیر (4/ 171)

شیخ ابن علیش مالکی رحمہ اللہ (1299ھ) تحریر کرتے ہیں:

قَالَ ابْنُ حَبِيبٍ سَمِعْت أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ إنْ نَهَى الْإِمَامُ عَنْ الْقِتَالِ لِمَصْلَحَةٍ حُرِّمَتْ مُخَالَفَتُهُ إلَّا أَنْ يَزْحَمَهُمْ الْعَدُوُّ وَقَالَ ابْنُ رُشْدٍ طَاعَةُ الْإِمَامِ لَازِمَةٌ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ عَدْلٍ مَا لَمْ يَأْمُرْ بِمَعْصِيَةٍ؛ وَمِنْ الْمَعْصِيَةِ النَّهْيُ عَنْ الْجِهَادِ الْمُتَعَيِّنِ. -فتح العلي المالك في الفتوى على مذهب الإمام مالك (1/ 392)

ترجمہ: ابن حبیب رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اہل علم حضرات کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر امام کسی مصلحت کی بنا پر قتال سے روکے، تو اس کی مخالفت کرنا حرام ہے، البتہ اگر دشمن حملہ کر دے تو اور بات ہے۔ ابن رشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر امام عادل نہ بھی ہو، تب بھی اس کی اطاعت ضروری ہے، جب تک کہ وہ کسی معصیت کا حکم نہ دے۔ اور فرض عین جہاد سے روکنا معصیت میں سے ہے۔

-فتح العلی المالک فی الفتوی علی مذہب الامام مالک (392/1)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (456ھ) تحریر کرتے ہیں:

و لا إثم بعد الكفر أعظم من إثم من نهي عن جهاد الكفار و أمر بإسلام حريم المسلمين إليهم ... -المحلى بالآثار (5/ 352)

ترجمہ: کفر کے بعد کفار کے خلاف جہاد سے روکنے اور مسلمانوں کے علاقے کو ان کے سپرد کرنے کا حکم کرنے سے عظیم گناہ اور کوئی نہیں۔-المحلی بالآثار (5/ 352)

لہذا اگر امام جہاد سے روکتا ہے، تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اگر دشمن حملہ کر دے، تو اللہ رب العزت کا حکم ہے کہ ان کے خلاف جنگ کی جائے۔ اللہ کے حکم کے سامنے امام کی بات کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

② اگر امام مرتد ہو جائے اور بغیر قتال کے اسے برطرف کرنا ممکن نہ ہو، تو اس کے خلاف قتال کرنا فرض ہے، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ اس بارے میں ائمہ کرام سے اجماع منقول ہے۔

یہاں پر مسلمانوں کا تو کوئی امام ہی نہیں، پھر ان پر مرتد حکمران کے خلاف قتال کرنا فرض کیسے ہوا؟

ان دو مسئلوں سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ جہاد کے فرض ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ نہ امام کی موجودگی یا عدم موجودگی کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہی امام کی اجازت یا حکم دینے یا نہ دینے کا کوئی تعلق ہے۔ ورنہ پہلے مسئلے میں امام کے منع کرنے کے بعد جہاد فرض نہیں ہوتا۔ اور دوسرے مسئلے میں امام کے مرتد ہو جانے کے بعد جب کوئی امام ہی نہیں، تو اس صورت میں اس مرتد کے خلاف قتال کس طرح فرض ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد ایک مستقل فریضہ ہے جس کے ساتھ امام کا کوئی تعلق نہیں۔ دشمن کے حملہ کرتے ہی جہاد فرض ہو جاتا ہے، اس لیے اس وقت امام کا روکنا معصیت میں سے شمار کیا جائے گا۔ مسلمانوں کے لیے اس کی بات پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا، اس وقت اس کی بات نہ ماننا فرض ہے اور جہاد چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح اگر امام مرتد ہو جائے، تو اسے معزول کرنا فرض ہے۔ اس فریضے کے ساتھ امام کے رہنے یا نہ رہنے کا کوئی تعلق ہی نہیں، کیوں کہ امام کی تقرری تو اس لیے ہوتی ہے تاکہ مسلمانوں کی ذمے داریاں منظم طریقے سے انجام پائیں۔ ذمے داریاں تو پہلے ہی سے فرض ہوتی ہیں اور امام کی تقرری ان ہی ذمے داریوں کو قافلہ بند اور منظم شکل میں انجام دینے کے لیے ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ امام کی تقرری کے بعد ہی ذمے داریاں فرض ہوتی ہیں، اس سے پہلے فرض نہیں ہوتیں۔

③ جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوۃ امام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے، اسی طرح جہاد بھی ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (456ھ) تحریر کرتے ہیں:

**وَقَالَ تَعَالَى: {فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لا تُكَلَّفُ إِلا نَفْسَكَ} [النساء: 84] وَهَذَا خِطَابٌ مُتَوَجِّهٌ إِلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، فَكُلُّ أَحَدٍ مَأْمُورٌ بِالْجِهَادِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ أَحَدٌ، وَقَالَ تَعَالَى: {انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالا} [التوبة: 41] ، وَقَالَ تَعَالَى: {فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا} [النساء: 71] . -المحلى بالآثار، دار الفكر، بيروت**

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''پس (اے نبی ﷺ!) آپ جنگ کریں اللہ کی راہ میں! آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے اپنی ذات کے۔'' (النساء: 84)، اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب ہر مسلمان کے لیے کیا گیا لہٰذا تمام مسلمان ہی اس سے مامور ہیں اگرچہ ان کے ساتھ کوئی بھی نہ ہو۔ دوسری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں: '' نکل پڑو (خواہ) تھوڑے سامان سے (ہو) اور (خواہ) زیادہ سامان سے (ہو) اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو اور یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو (تو دیر مت کرو)۔'' (التوبۃ 41)۔

اللہ تعالیٰ نے اور فرمایا: '' اے ایمان والو اپنی تو احتیاط رکھو پھر متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو۔'' [النساء: 71]۔ المحلی بالآثار، 421/5

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) نے فرمایا:

**والجهاد – وإن كان فرضا على الكفاية – فجميع المؤمنين يخاطبون به ابتداء فعليهم كلهم اعتقاد وجوبه والعزم على فعله إذا تعين؛ ولهذا {قال النبي صلى الله عليه وسلم من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه بغزو مات على شعبة نفاق} رواه مسلم. فأخبر أنه من لم يهم به؛ كان على شعبة نفاق. مجموع الفتاوى (7/ 16)**

جہاد اگرچہ (عام حالت میں) فرض کفایہ ہے لیکن ابتداءً تمام ہی مسلمان مامور ہوتے ہیں، تو ان پر جہاد فرض ہونے کا اعتقاد رکھنا اور فرضِ عین ہونے کی حالت میں عملاً جہاد کرنے کا عزم رکھنا ضروری ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا) جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس نے جہاد نہیں کیا اور نہ ہی جہاد کے بارے میں اپنے دل میں سوچا اور ارادہ کیا تو وہ ایک طرح سے نفاق پر مرا۔ صحیح مسلم/الامارہ۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر آگاہ کیا کہ جہاد کے بارے میں جس کی کوئی فکر بھی نہیں ہے تو وہ ایک طرح سے نفاق کا مرتکب ہے۔۔- مجموع الفتوی: 16/7

نظم الدین زاہدی حنفی رحمہ اللہ (658ھ) نے فرمایا:

**والغزو والجهاد تارة يكون فرضا من فروض الأعيان، يخاطب بهما كافة المسلمين من أهل الإيمان. —المجتبى شرح القدوري للزاهدي (ت658هـ، ص: 1542**

جنگ اور جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے تب اہل ایمان میں سے سب کو ہی مخاطب کیا جاتا ہے۔ المجتبی شرح قدوری للزاہدی: ص ۱۵۴۲

البتہ جہاد چوں کہ ایک اجتماعی عمل ہے، کسی شخص واحد کی جدجہد سے کامیابی نہیں ملتی، اس لیے اگر امیر نہ ہو، تو کسی کو امیر بنالینا واجب ہے۔

④ "امام کے بغیر جہاد نہیں ہے" یہ بات تاریخ سے بھی جھوٹی ثابت ہوتی ہے۔

۱. جب تاتاریوں نے عباسیہ خلیفہ کو شہید کردیا، اس وقت 656ھ سے 659ھ تک تین سال مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود بھی علمائے کرام نے تاتاریوں کے خلاف قتال کا فتوی صادر کیا، ان کے خلاف گھمسان کی لڑائی ہوئی، مگر اس وقت یہ سوال پیدا نہیں ہوا تھا کہ جہاد فرض کیوں ہو؟ کیوں کہ خلیفۃ تو نہیں ہے؟

۲. انگریز کا برصغیر پر قبضہ جمالینے کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ، مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے شاملی کے میدان میں جہاد کیا۔ اس وقت یہ سوال نہیں اٹھا تھا کہ جہاد فرض کیوں ہو؟ کیوں کہ خلیفۃ تو موجود نہیں؟

۳. سید احمد شہید رحمہ اللہ نے عرصۂ دراز تک جہاد کا فریضہ انجام دیا، تب تو یہ سوال کھڑا نہیں ہوا کہ جہاد کیوں فرض ہو؟ جب کہ امام موجود نہیں؟

٤. افغانستان میں روسی استعمار کے خلاف پندرہ سال تک جنگ جاری رہی۔ اس وقت تو کوئی خلیفہ نہیں تھا۔ آج جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ "امام کے بغیر جہاد نہیں ہے" کل تو وہی لوگ افغان جہاد کو لے کر فخر کرتے تھے، لیکن آج جب امریکہ کے خلاف جنگ شروع ہوئی تو ایسا لگتا ہے جیسے شریعت کا مسئلہ ہی بدل گیا۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ اس وقت اگرچہ خلیفہ نہیں تھے لیکن جہاد کا امیر تو موجود تھا اور آج جہاد کا کوئی امیر نہیں ہے؟

جواب میں کہیں گے کہ کیا امیر ہر ہر گھر میں رہنا پڑے گا؟ اگر پوری دنیا میں ایک امیر ہو، تو اس سے کام نہیں چلے گا؟ ہمارے ملک میں جہاد کا کام بغیر امیر کے تو نہیں ہو رہا ہے نا؟ "اَنصار الِاسلام" القاعدۃ کی شاخ ہے، اور القاعدۃ کی بیعت طالبان کے پاس ہے۔ ان کی قیادت سے پوری دنیا میں جہاد چل رہا ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟ یا ہر ہر علاقے میں الگ الگ امیر چاہیے؟ شریعت کیا کہتی ہے کہ ایک دوسرے سے الگ رہ کر مسلمان اپنی طاقت ضائع کر

دیں یا ایک امیر کے ماتحت متحد رہیں؟﴿و اعتصموا بحبل الله جمیعا و لا تفرقوا﴾ یعنی تم سب ایک ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو! اور متفرق نہ ہو!۔ اس کا کیا معنی ہے؟

اور اگر طالبان کے ماتحت جہاد پسند نہ ہو، تو کیا جہاد کی ذمے داری ختم ہو جاتی ہے؟ دوسرے کسی کو امیر بنا کر جہاد کرنا فرض نہیں ہو گا؟

البتہ یہاں پر اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے کسی حق پرست جماعت کے رہتے ہوئے ان سے الگ رہ کر نئی تنظیم تشکیل دے کر مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

**شبہ:**

کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں جو لوگ موجودہ حکمرانوں کو مرتد نہیں سمجھتے اگر وہ جہاد سے باز رہیں، تو اس میں کوئی برائی نہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک چوں کہ ان کا مرتد ہونا واضح نہیں، تو پھر وہ کس اعتبار سے ان کے خلاف جنگ میں اتریں؟

**جواب:**

کیا جہاد فقط ہمارے ملک میں ہی فرض ہے، ہمارے ملک سے باہر جہاد فرض نہیں ہے؟ کیا اراکان میں جہاد فرض نہیں ہے؟ شام میں جہاد فرض نہیں ہے؟ عراق میں جہاد فرض نہیں ہے؟ افغانستان میں جہاد فرض نہیں ہے؟ کشمیر میں جہاد فرض نہیں ہے؟ مسلمانوں کے جن علاقوں پر کفار قابض ہیں کیا ان کی بازیابی فرض نہیں ہے؟ جو مسلمان کفار کی سلاخوں میں قید ہیں، ان کی رہائی کے لیے جہاد فرض نہیں ہے؟

اگر ہمارے ملک کے جہاد میں شبہ ہے، تو کیا اس وجہ سے سرے سے جہاد کی ذمے داری ہی ختم ہو جاتی ہے؟

دراصل بات یہ نہیں ہے، بلکہ جہاد میں جانے کا سچا ارادہ ہی نہیں ہے، یہی اصل وجہ ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ اَرَادُوْا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾[التوبہ:46]

اور اگر وہ لوگ (غزوہ میں) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے لیکن (خیر ہوئی) اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لیے ان کو توفیق نہیں دی اور (بحکم تکوینی) یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو۔[التوبہ:46]

اس کے علاوہ ہمارے ملک کے حکمرانوں کے خلاف جہاد فرض ہونے کی صرف یہی ایک وجہ نہیں ہے کہ حکمران طبقے مرتد ہو گئے ہیں، بلکہ اور بھی کئی وجوہات ہیں۔

## جن اسباب و علل کی وجہ سے حکمرانوں کے خلاف قتال واجب ہے

① مختلف وجوہات سے حکمران طبقے مرتد ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بعض اہم وجوہ درج ذیل ہیں:

- ملک سے مذہب کو الگ کرنا۔ اللہ کی شریعت کو رد کر کے انسان ساختہ قانون سے ملک کو چلانا۔
- بین الاقوامی کفری قوانین کو تسلیم کرنا۔
- مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کفار کی مدد کرنا وغیرہ۔

اور مرتدین کو قتل کرنا فرض ہے۔اور جو لشکر مرتدین کا حمایتی ہو، وہ بھی مرتدین کے حکم میں ہے۔

② یہ لوگ ''طائفۃ ممتنعۃ'' میں سے ہیں جو جماعت جہاد، قصاص، حدود اللہ سمیت تقریبا شریعت کے تمام ہی احکامات کی ادائیگی سے ممتنع ہیں جو بغیر قتال کے ان سے ادا کرنا نا ممکن ہے، حالانکہ جو شخص شریعت کا کوئی بھی فریضۃ یا شعائر اسلام میں سے کسی ایک چیز (جیسے اذان) کی بھی ادائیگی سے ممتنع ہیں، اس کے خلاف قتال فرض ہو جاتا ہے۔

③ یہ لوگ جہاد، قصاص، حدود اللہ سمیت قریبا شریعت کے تمام ہی احکامات کو نافذ نہیں کرنے دے رہے، اور انھیں ہٹائے بغیر ان احکامات کا نفاذ ممکن بھی نہیں۔

اگر کوئی منظم جماعت کسی فریضے کو مسلسل ترک کرنے لگے یا کسی گناہ کا اس طرح مرتکب ہو کہ بغیر قتال کے ان سے اس فریضے کی ادائیگی کرنا یا انھیں اس گناہ سے باز رکھنا ممکن نہیں ہو رہا، تو ایسی جماعت کے خلاف قتال کرنا فرض ہے، خواہ وہ جماعت عوام کی ہو یا سرکاری فوج کی۔اس طرح کی جماعتوں کو ممتنع کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی فریضے کو مسلسل ترک کرنے لگے یا کسی گناہ کا مرتکب ہو کر اس پر جما رہے اور اس کی اپنی فوج ہو جس کی قوت پر وہ اس گناہ کو مسلسل کر پا رہا ہو جس کے خلاف بغیر جنگ و قتال کے اس فریضے کی ادائیگی یا اس گناہ سے روکنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس فوج (لشکر) کے خلاف قتال کرنا فرض ہے۔اس طرح کی جماعت اور افراد کو ممتنع کہا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) فرماتے ہیں:

فأيما طائفة امتنعت من بعض الصلوات المفروضات، أو الصيام، أو الحج، أو عن التزام تحريم الدماء، والأموال، والخمر، والزنا، والميسر، أو عن نكاح ذوات المحارم، أو عن التزام جهاد الكفار، أوضرب الجزية على أهل الكتاب، وغير ذلك من واجبات الدين و محرماته التي لاعذر لأحد في جحودها وتركها التي يكفر الجاحد لوجوبها: فإن الطائفة الممتنعة تقاتل عليها و إن كانت مقرة بها، و هذا مما لا أعلم فيه خلافا بين العلماء.

-مجموع الفتاوى لابن تيمية (28/ 503)

ترجمہ: ہر اس جماعت کے خلاف قتال کیا جائے گا جو کسی شرعی فریضے جیسے نماز، روزہ، حج یا حرام خون بہانے سے باز نہ آئے یا شراب نوشی، زناکاری، جوا بازی سے باز نہ آئے یا اپنی محرم عورتوں سے شادی کرنے سے باز نہ رہے، یا کفار کے خلاف جہاد کرنے پر راضی نہ ہو یا اہل کتاب پر جزیہ عائد کرنے سے رضامند نہ ہو علاوہ ازیں دین کا کوئی لازمی امر یا کوئی بھی حرام چیز جس کے انکار یا ترک میں کوئی بھی عذر قابل قبول نہیں اور جس کے فرض ہونے کو انکار کرنے والا کافر قرار پاتا ہے، اگر کوئی جماعت ان کی ادائیگی یا حرام سے باز رہنے پر راضی نہ ہو، تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا، اگرچہ وہ ان احکامات کو اقرار کرتی ہو، تب بھی۔اگر ادائیگی یا باز رہنے پر راضی نہ ہو، تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا اور مجھے معلوم نہیں کہ اس مسئلہ میں کسی اہل علم سے اختلاف منقول ہے۔- مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ (503/28)

امام جصاص رحمہ اللہ (370ھ) تحریر کرتے ہیں:

وكذلك ينبغي أن يكون حكم سائر المعاصي التي أوعد الله عليها العقاب إذا أصر الإنسان عليها وجاهر بها. وإن كان ممتنعا حورب عليها هو ومتبعوه وقوتلوا حتى ينتهوا... وكذلك حكم من يأخذ أموال الناس من المتسلطين الظلمة

وآخذي الضرائب واجب على كل المسلمين قتالهم وقتلهم إذا كانوا ممتنعين ... وكذلك أتباعهم وأعوانهم الذين بهم يقومون على أخذ الأموال. -أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (1/ 572)

ترجمہ: اسی طرح ان تمام معاصی جن پر اللہ رب العزت نے سزا کی دھمکی دی ہے، جب کوئی شخص بر ملا اس پر مصر ہو، تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہونا چاہیے...اور اگر ممتنع ہو (اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے)، تو اس کے اور اس کے پیروکاروں کے خلاف قتال جاری رکھا جائے گا، جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آجائے۔ اسی طرح وہ سب ظالم اور ٹیکس وصول کرنے والے جو ظلما لوگوں سے مال اکٹھا کرتے ہوں جب وہ ممتنع ہو جائیں تو اس وقت تمام مسلمانوں پر ان کے خلاف قتال کرنا اور انھیں قتل کرنا فرض ہے، اسی طرح ان کے پیروکاروں اور معاونین کو بھی جن کی مدد کے ذریعے وہ لوگوں سے مال لینے پر قادر ہوتے ہیں۔-أحكام القرآن للجصاص ط العلمية (1/ 572)

جب کوئی ایسی معصیت کا ارتکاب کرے جس کا نقصان صرف اس کی ذات تک محدود ہو یا ظلمًا لوگوں سے مال چھین لے، حالانکہ مال ایک خالص دنیاوی چیز ہے جس کے ضیاع سے دین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، تو اس کے خلاف قتال کرنا اور اسے موت کے گھاٹ اتارنا فرض ہو جاتا ہے، تو آپ جہاد کی طرح ایک اہم فریضہ جو حفاظت دین کا واحد ذریعہ ہے، کے ترک کرنے والے اور اس میں رکاوٹیں پیدا کرنے والوں کے بارے میں کیا کہیں گے ؟!

مذکورہ اصول کی روشنی میں جہاد اور دیگر شرعی احکامات کی ادائیگی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی وجہ سے ان کے خلاف دو اعتبار سے قتال فرض ہوتا ہے:

① ان احکامات کو ترک کرنے کی وجہ سے۔ ان احکامات کا ترک کرنا ایک نافرمانی اور معصیت ہے جس پر وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اٹل اور مصر ہیں۔

② دوسروں کو روکنے کی وجہ سے۔ اس میں بھی وہ اپنی پوری طاقت سے اٹل و مصر ہیں۔

ان دونوں وجوہات کی بنا پر ان کے خلاف قتال فرض ہو جاتا ہے۔

چناں چہ اس وقت تمام فقہاء کرام کے اجماع کے مطابق ان طاغوتی لشکر اور افواج کے خلاف قتال فرض ہے۔

## اختتامیہ

جہاد اور اعداد شکوک و شبہات کے پردے میں چھپ کر رہ گئے۔ ایسی حالت میں صحیح جہاد صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس پر اللہ رب العزت کی خاص عنایت ہو۔ اعداد کے حوالے سے مجھے بھی چند شبہات تھے، اور یہی حقیقت ہے، کیوں کہ ہمارے ملک کے دینی اداروں میں عام طور پر صحیح جہاد کا چرچا نہیں ہوتا اور ہم میدان جہاد سے بھی بہت دور ہیں۔ اللہ رب العزت کی خاص مہربانی سے یہ شبہات رفتہ رفتہ ختم ہو گئے، بہت سی چیزوں کی حقیقت واضح ہو گئی۔

اعداد کے حوالے سے جو شبہات پائے جاتے ہیں ان کو مد نظر رکھتے ہوئے عرصۂ دراز سے اس بارے میں کچھ لکھنے کا ارادہ تھا، اللہ رب العزت نے میرے اس ارادے کو پورا کیا، اس بارے میں کچھ محنت و مشقت کی توفیق عنایت فرمائی، اس رسالے کو تیار کرنے کا موقع دیا۔ البتہ میں اپنے اس رسالے کو جامع اور مکمل نہیں سمجھتا۔ اعداد کے حوالے سے بہت کم مواد ہی پیش کر سکا ہوں۔ شاید اس کام کے لیے اللہ رب العزت اپنے کسی بندے کا انتخاب کریں گے جن سے اس موضوع کی تکمیل ہو گی۔

آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاگو ہوں کہ وہ ہماری اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے! جہاد و اعداد کے متعلق شبہات کے ازالے میں اس کو ایک ذریعہ بنائے! جہادی قافلوں کے لیے اسے معاون و مددگار ثابت کرے! اور ہماری نجات کا ایک وسیلہ بنائے! آمین!!

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد و علی آله و صحبه أجمعين